# مثنوی گلزار نسیم

برائے فرم

ملک دین محمد اینڈ سنز پبلشرز و بکسیلرز و پروپرائٹرز
دین محمدی الیکٹرک پریس کشمیری بازار / سرکلر روڈ لاہور

باہتمام ملک محمد عارف پرنٹر دین محمدی الیکٹرک پریس سرکلر روڈ لاہور سے طبع کرا کر سنہ ۱۹۴۰ء میں ملک دین محمد نے کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا

# بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری
حمدِ حق و مدحتِ پیمبرؐ
ختم اس پہ ہوئی سخن پرستی

ثمرہ ہے قلم کا حمدِ باری
پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے
کرتا ہے زباں کی پیشدستی

کرتا ہے یہ دو زباں سے یکسر
یعنی کہ مطیعِ پنج تن ہے
. . . . . . . . .

## خواستگاری جناب باری سے مثنوی گلزار نسیم کی ترتیب کے واسطے

یارب مرے خامے کو زباں دے
افسوں ہو بہار عاشقی کا
وہ نثر ہے داد نظم دونیں
سلطانِ قلمروِ سخن تھے
پر بحرِ سخن سدا ہے باقی
رکھ دے مرے اہلِ خانہ میں نوک
نقطے ہوں سپند خوش بیانی
مرکز پہ کشش مرے پہنچ جائی

منقار ہزار داستاں دے
ہرچند سنا گیا ہے اس کو
اس مے کو دو آتشہ کروں میں
آگے اِن کے فروغ پانا
دریا نہیں کار بند ساقی
خوبی سے کرے دلوں کو تسخیر
جدول ہو حصار سحر خوانی
. . . . . . . .

افسانہ گل بکاولی کا
اُردو کی زبان میں سخنگو
ہرچند اگلے جو اہل فن تھے
سورج کو چراغ ہے دکھایا
طعنے سے زبان نکتہ چیں روک
نیرنگ نسیم باغِ کشمیر
جو نکتہ لکھوں کہیں نہ حرف آئے
. . . . . . . . .

## داستان تاج الملوک شاہزادہ اور زین الملوک بادشاہ مشرق کی

روداد زبان پاستانی
سلطان زین الملوک ذی جاہ
خالق نے دیے تھے چار فرزند
پس ماندہ کا پیش خیمہ آیا
وہ نور کہ صدقے مہرِ انور
چشمک تھی نصیب اس پدر کو
پیارا یہ وہ ہے کہ دیکھ اس کو

یوں نقل ہے خامے کی زبانی
لشکر کش و تاج دار تھا وہ
دانا عاقل ذکی خردمند
امید کے نخل نے دیا بار
وہ رخ کہ ٹھیرے آنکھ جس پر
خوش ہوتے ہی طفل مہ جبیں سے
پھر دیکھ نہ سکے گا کسی کو

پورب میں ایک تھا شہنشاہ
دشمن کش و شہریار تھا وہ
نقشہ ایک اور نے جمایا
خورشید حمل ہوا نمودار
نور آنکھ کا کہتے ہیں پسر کو
ثابت یہ ہوا ستارہ بیں سے
نظروں سے گرا وہ طفل ابتر

مانند سرشک دیدۂ تر
پردے سے نہ دایہ نے نکالا
پتلی سا نگاہ رکھ کے پالا

تھا افسر خسرواں وہ گلفام
مانند نظر رواں ہوا وہ
ضاد آنکھوں کی دیکھ کر پسر کی
کی نور بصر نے چشم پوشی
ہرچند کہ بادشاہ نے ٹالا
خارج ہوا نور دیدۂ کور
تقدیر سے چل سکا نہ کچھ زور
مختار ہے جسطرح بنائے

پالا تاج الملوک رکھ نام
آتا تھا شکارگاہ سے شاہ
بینائی کے چہرہ پر نظر کی
دی آنکھ جو شہ نے رونمائی
اوس ماہ کو شہر سے نکالا
آیا کوئی لے کے نسخۂ نور
بینا نہ ہوا وہ دیدۂ کور
. . . . . . . . .

جب نام خدا جوان ہوا وہ
نظارہ کیا پدر نے ناگاہ
چھہ لب سہ ہوئی خموشی
چشمک سے نہ بھائیوں کو بھائی
گھر گھر یہی ذکر تھا یہی شور
لایا کوئی جا کے سرمہ طور
ہوتا ہے وہی خدا جو چاہے
. . . . . . . . . .

## جانا چاروں شاہزادوں کا بہ تجویز کحال تلاش گل بکاولی کو

پایا جو سفید چشم صفحا
عیسےٰ کی تھیں اوسنے آنکھیں دیکھیں
ہے باغ بکاولی میں ایک گل

یوں میل قلم نے سرمہ کھینچا
وہ مرد خدا بہت کراہا
پلکوں سے لے دسی پہ بار جنگل

تھا اک کحال پیر دیریں
سلطان سے ملا کہا کہ شاہا
خورشید میں یہ ضیا کرن کی

ہے پھر گیا اوسے چمن کی بُو
شاہزادے ہوے وہ چاروں تیار
لشکر اسباب خیمہ خرگاہ
میدان میں خاک اُڑا رہا تھا
جانتے ہو کہ ہر کو صورت بیل
سلطان زین الملوک شہزور
مطلوب گل بکاولی ہے
ہمراہ کسی لشکری کے ہو کر

اوس نے تو گل ارم بتایا
رخصت کئے شہ نے چاروں ناچار
وہ بادیہ گرد خانہ برباد
دیکھا تو وہ لشکر آ رہا تھا
بولا لشکر کا اک سپاہی
دیدار پسر سے ہو ہو کنارہ
گل کی جو خبر سنائی اسکو
قسمت پہ چلا یہ نیک اختر

لوگوں کو شگوفہ ہاتھ آیا
شاہانہ چلے وہ بیکر ہمراہ
یعنے تاج الملوک ناشاد
پوچھا تم لوگ خیل کے خیل
جاتی ہے ارم کو فوج شاہی
منظور علاج روشنی ہے
گلشن کی ہوا سمائی اسکو

## غلام ہونا چاروں شاہزادوں کا چوسر کھیل کر دلبر بیسوا سے

نقطوں سے قلم کی مہرہ بازی
صحرا صحرا وہ کوہ ارم کو
وارد ہوئے اک جگہ سر شام
ٹھٹکے سیارے کہکشاں پر
دلبر نام ایک بیسوا تھی
نقارا چوبدار در تھا
آواز پہ اوہ لگی ہوئی تھی
باہر سے اُسے لگا کے لاتی
جیت اسکی تھی ہاتھ جو کچھ آتا
چوہا پانسے کا پاسبان تھا
جیتے ہوئے بندے تھی ہزاروں

یوں لائی رنگ بدطرازی
بلبل ہوئی سب ہزاری سے
فردوس تھا اس مقام کا نام
اک باغ تھا نہر کے کنارے
اُس ماہ کی واں محلسرا تھی
بیجا و بجا نہ سمجھے انسان
آپ آن کی ٹھاٹ دیکھتی تھی
بٹھلا کے جوے کا ذکر اٹھاکر
اس کا کوئی ہتھکنڈا نہ پاتا
اولانی اُڑی پہ قسمت آسا
قسمت نے پھنسائے یہ بھی چاروں

یکچند پھرا کیا وہ انبوہ
گل کا نہ پتا لگا کسی سے
اک نہر تھی شہر کے برابر
جویائے گل اس طرف سدھارے
دروازے سے فاصلہ پہ گھر تھا
نقارہ بجا کے ٹھیرے ناداں
جس شخص کو مالدار پاتی
چوسر میں وہ لوٹتی سراسر
بلی کا جو سر چراغدان تھا
بلی جو دیا تو موش باسا
صیاد نے لائی پھانس کر صید

کرسی پہ بٹھائے نقش امید
رنگ اس کا جما تو لا کے چوسر
بازی چوسر کی کھیل سمجھے
بدبختی سے آخری جو اتھا
پنجے میں پھنسے تو چھکے چھوٹے
زندان کو چلے مچل مچل کر
پانی سا پھرا نہ جانب نہر

گھاتیں ہوئیں دلبرا ہٹو نکی
کھیلی وہ کھلاڑ بازی بدکر
امروز تھی مال و زر پہ کھیلے
بندہ ہونا بدا ہوا تھا
ایک ایک سے رات بھر نہ چھوٹا
زردوں کیطرح پھرے نہ چل کر
. . . . . . . . . . .

باتیں ہوئیں آشنا ہٹو نکی
وہ چھوٹ پہ تھی یہ میل سمجھے
سامان ہارے تو سر پہ کھیلے
دو ہاتھ میں چار دن اُسنے لوٹے
پو پھٹتے ہی جگ ان کا لوٹا
لشکر میں سے جو گیا سوئے شہر
. . . . . . . . . . .

## جیتنا تاج الملوک کا دلبر بیسوا کو اور چھوڑ کر روانہ ہونا تلاش گل بکاولی میں

لانا زر گل جو ہے ارم سے
یعنے تاج الملوک ابتر
اٹھا کر خیر تو لیجے چل کر
نکلی اندر سے ایک دایہ
بولی کہ وہ نام کیا ہے تیرا
طفلی میں ہوا ہوں خانہ برباد
بیٹا وہ سمجھ کے جی سے اسکو
ایک ایک کی کر رہا تھا خواری
ذکر اپنے برادرون کا سن کر
شہزادوں کو جس نے زچ کیا ہے
بلی پہ چراغ رکھ کے سب کو
وہ بلی کے سر پہ جو ہے کی ہاتھ

یوں صفحے پہ نقش ہے قلم سی
حیران ہوا کہ یا الٰہی
گذرا درِ باغ بیسوا پر
لڑکا کوئی کھو گیا تھا اُس کا
فرزند اسی شکل کا تھا میرا
لیکن یہ میں جانتا ہوں لیکن
گھر لائی ہنستی خوشی ہی اسکو
کہتے تھے فریب دو گی یا تم
بولا وہ عزیز سن تو مادر
بولی وہ کہ ہاں جو آہے بدنام
چوسر میں وہ لوٹتی ہی سب کو
شہزادی کہیں کی تھی بداقبال

وہ ریگ رواں کا گرد لشکر
لشکر پہ یہ کیا پڑی تباہی
حیران تھا یہ بلند پایہ
ہم شکل یہ مہ تھا اِس کا
بولا وہ کہ نام تو نہیں یاد
مادر تھی مری بھی ایسی ہی پیر
جاتی تھی اُدھر سے دو چاری
شہزادے سے ہم نہ بیسوا تم
کون ایسی کھلاڑ بیسوا ہے
دلبر ایک بیسوا ہے خود کام
پلے سے کی ہے کل چراغ کیساتھ
بندے ہوئے ہار کر زر و مال

بھائی تھے جوش زن کہاں جائے
صدمہ ہوا ندو سے کہا ہائے
پاسے کا چراغ کا اُلٹ پھیر
سوجھا نہ انہیں یہ دیکھو اندھیر
سوچا وہ کہ اب تو ہم ہیں آگاہ
جیتے ہیں تو جیت لینگے ناگاہ
اک بلی جھپٹی چوہے کو پہچان
نیولے نے بھگا دیا کھا نان
سمجھا وہ کہ ہے شگون نرالا
نیولا پکڑ آستین میں پالا
چوسری کے سیکھنے کو یکسر
گھوما وہ برنگ نرد گھر گھر
اک روز اُسے مل گیا امیر ایک
وہ صاحب جاہ دل سے تھا تنگ
اشراف سمجھ کے لیگیا گھر
بخشا اُسے اسپ جامہ و زر
اوس گل کے جو ہاتھ میں زر آیا
جانبازی کو سوئے دلبر آیا
ملتی تھی کھلاڑ ڈنکے کی چوٹ
نقارہ و چوب میں چلی چوٹ
آواز وہ سن کے در پہ آئی
ہمراہ اُسے لیکے اندر آئی
کام اُس کا تھا بسکہ کھیل کھانا
چوسر کا جما وہ کارخانہ
وہ چشم و چراغ بیبوا کے
کرنے لگے تاک جھانک آکے
نیولا کہ وہ مار آستین تھا
چٹکی کے بجاتے ہی وہیں تھا
بلی تو چراغ پا تھی خاموش
بل ہو گیا موش کو فراموش
ہنس ہنس کے حریف کو رلایا
مانند سہا اُسے جلایا
بارے پھرا نہ بد دماغی
بے خضر تے غو سے چراغی
پاسے چلی نہ چغل سازی
اُجڑی وہ بسا بسا کے بازی
سب ہار کے نقد و جنس بارے
جیتے ہوئے ہندی بد کی ہارے
بنیاد جو کچھ تھی جب گنوائی
تب خود وہ کھلاڑ ٹھہری آئی
پھر پاسے نے کی نہ پاسداری
ہمت کسطرح وہ دل سے ہاری
پاسے کی بدی ہے آشکارہ
راجہ نل سلطنت سے ہارا
سوچی یہ کہ اب بھی چال چلئے
شادی کا مزا نکال رہئے
بولی بہزار عجز و زاری
تم جیتے میاں میں تم سے ہاری
لونڈی ہوں نہیں مدول مجھ کو
خدمت میں کرو قبول مجھ کو
بولا وہ کہ سُن یہ ہتھکنڈے چھوڑ
نقارہ در کو چوب سے دوڑ
یہ مال یہ زر یہ جتنے بندے
یونہی یہیں رکھ نجس خندی
بالفعل ارم کو جاتے ہیں ہم
انشاء اللہ آتے ہیں ہم
بولی وہ سنو تو بندہ پرور
گلزار ارم ہے پر یوں کا گھر
انساں و پری کا سامنا کیا
مٹھی میں ہوا کا تھامنا کیا
شہزادہ ہنسا کہا کہ دلبر
کچھ بات نہیں جو رکھیے دلپر
انسان کی عقل اگر نہ ہو گم
ہے چشم پری میں جا مردم
یہ کہہ کے اٹھا کہا کہ لو جان
جاتے ہیں کہا خدا نگہبان
دولت تھی اگرچہ اختیاری
یا مردمی سو اس پہ لات ماری
جز جیب نہ مال پہ پڑا ہاتھ
جز سایہ نہ کوئی بھی لیا ساتھ
درویش تھا بندۂ خدا وہ
اللہ کے نام پہ چلا وہ

## پہنچنا تاج الملوک کا سرنگ کھدو کر باغ بکاولی میں اور گل لے کر پھرنا

کرتا ہے جو طے سواد نامہ
یعنے تاج الملوک دل زار
سائے کو پتہ نہ تھا شجر کا
نقش کف پا تھے ریگ ماہی
ڈنڈا تھا ارم کے بادشاہ کا
دو تھتے رہ عدم کے ناکے
بھوکا کئی دن کا تھا وہ ناپاک
حلوا بے دود بے گمان تھا
شہزادہ کہ منہ میں تھا اجل کے
سبحان اللہ شان تیری
وہ دیو لپک کے مار لایا
دم اُس کا نہ اُس گھڑی سمایا
چاہا اُس نے کہ مار ڈالو
سب ٹھاٹھ تھے مہانیوں کی
میٹھا اُس دیو کو کھلاؤ
سر نبی دیو کو چڑھائی
کہنے لگا کیا مزا ہے دلخواہ
کیا اسکے عوض میں دوں میں تجھ کو
وہ ہاتھ پر اس کے مار کر ہاتھ

یوں حرف ہیں نقش پائے جادہ
اک جنگلے میں جا پڑا جہاں گرد
عنقا تھا نام جانور کا
وہ دشت کہ جس میں پہنچنے تک دو
ایک دیو تھا پاسبان بلا کا
سر پر پایا بلا کو اس نے
فاقوں سے رہا تھا پھانک کر خاک
بولا کہ چکھونگا میں یہ انسان
اندیشہ سے رہ گیا دہل کے
استرگی جانے تھی ادھر سے
غراتے ہوئے شکار لایا
نیوار کے وہیں وہ بار برش
یا بھاگ سکو تو راستہ لو
میدا ابھی شکر بھی گھی بھی پایا
گڑ سے جو مرے تو زہر کیوں دو
ہر چند کہ تھا وہ دیو گردوا
اے آدمی زادہ واہ وا واہ
بولا وہ پہلے قول دیجے
بولا کہ ہے قول جان کیسا

وہ دامن دشت شوق کا خار
صحرائے عدم بھی تھا جہاں گرد
مرغان ہوا تھے ہوش راہی
یا ریگ رواں تھی یا وہ رہرو
دانت اسکے گورکن قضا کو
تسلیم کیا قضا کو اس نے
بے ریشہ ہر طفل نوجوان تھا
اللہ اللہ شکر احسان
پل مارنے کی ہوئی جو دیری
پُر آرد و روغن و شکر سے
اونٹوں کی جو تھیں پولا پا
میٹھا تو گرا، گرا تو بیہوش
وہ اونٹ تھے کاروان کے
خاطر میں یہ اُس لشکر کے آیا
حلوے کی پکا کے اک کڑھائی
حلوے سے کیا منہ اسکا میٹھا
چیز اچھی کھلائی تو نے مجھ کو
پھر جو میں کہوں قبول کیجے
بولا وہ کہ قول اگر یہی ہے

بدعہدی کے پر نہیں سبھی ہے
خورشید کے ہم نظر نہیں ہی
وان ریگ زمین زمین پہ اخگر
رہ جا مرا بھائی ایک ہے اور
وہ مثل صدائے کوہ آیا
مشتاق ارم کی سیر کا ہے
چھوٹی بہن اسکی تھی بڑی نیک
پیارا ہے مرا یہ آدمی زاد
مہمان ہے کیجیو نوازش
بھائی کا جو خط بہن نے پایا
زنبور کے گھر میں انگبین تھی
جوڑا ہم جنس ہاتھ آیا
دو وقت سے شام کو ملے وہ
آپس میں کھلے نہ شرم سے وہ
کیا سرد ہوا ہے واہ وا واہ
بولا وہ یہی تو چاہتا ہون
یوسف نے کہا وہ حال یعقوب
کھولی تھی زبان منہ اندھیرے
ہم جنس ملا نکالے ارمان
ناکامی کے جب وہ طور سمجھی
درمان ہے کہ درد لا دوا ہے
وہ بولی جو تو کہے زبان سے
محمود اسنے کہا کہ مادر
دل داغ اسکا برائے گل ہے
راہ اُس نے سرنگ کی نکالی

گلزار ارم کی ہے مجھے دھن
اندیشے کا وان گذر نہیں ہے
ہوتا جو نہ قول کا سہارا
شاید کچھ اس سے بن پڑیں طور
حال اُس سے کہا کہ قول ہارا
کوشش کرو کام خیر کا ہے
خط اسکو لکھا بایں عبارت
رکھیو اسے جس طرح مری بات
خط لیکے بشر کو لے اڑا دیو
بھیجے ہوئے کو گلے لگایا
محمودہ نام دخت آدم
محمود آکے گلے لگا یا
تھے ضبط حیا کے امتحان میں
خاطر کی طرح گرہ رہے وہ
بولی وہ کہ ہونے کو ہوا ہے
گل پاؤن تو میں ابھی اٹھہون
اول کہی بد لگا ہی اپنی
کہتے سنتے اُٹھے سویرے
بولی وہ کہ کہتے آتی ہی شرم
وہم اِس کو ہوا کچھ اور سمجھی
بولی وہ کہ ہے تو در لیکن
تارے تو اُتار دون آسمان سی
باپ اسکا ہے اندھا جس سے جھول
نرگس نے لیئے ہوائے گل ہے
دیوؤں سے کہا کہ جو ہیں چاق

بولا کہ مارے بشر وہ گلبن
وان موج ہوا ہوا ہیں پہ اژدر
بچتا نہ یہین تو خیر ہارا
اک ٹیکرے پر گیا بلا یا!
ہے پیر یہ نوجوان ہمارا
حمالہ نام دیونی ایک
اے خواہر مہربان سلامت
انسان سے چاہیے کچھ جو سازش
پہنچا حمالہ پاس لے دیو
اس دیونی پاس اک حسین تھی
لے آئی تھی دیکھے دیونی دم
دن بھر تو الگ تھلک ہی تھی وہ
پردہ رہا ماہ بین کتان میں
بولا وہ افسردہ دل سحر گاہ
جو غنچہ کو گل کرے صبا ہے
پیراہن گل کی بو تھی مطلوب
بعد اس کے وہ سب تباہی اپنی
پوچھا حمالہ نے مری جان
دل سرد رہا بغل ہوئی گرم
پوچھا کہ بتاؤ تو روگ کیا ہے
تم چاہو تو ہے دوا ابھی ممکن
چہرہ کو چھپا کے زیر چادر
مطلوب بکاولی کا ہے پھول
ساعی تھی بدل یہ کہنے والی
تا باغ ارم سرنگ پہنچا دُو

سن حاجت نقب بہر گلگشت
درماندہ کی خوش پھری اسی راہ
صحن چمن ارم میں اک جا
دھڑکا یہی دل کا کہ رہا تھا
گو باغ کے پاسبان غضب تھے
سوسن کی زبان خدانے کی بند
ایوان بکاولی جدھر تھا
چندے خورشید چندے مہتاب
پانی کے جو بلبلوں میں تھا گل
پھولا نہ وہ جامے میں سمایا
بارہ دری واں جو سونیکی تھی
چلمن مژگان چشم مخمور
پردہ جو حجاب سا اٹھایا
چھاتی کچھ کچھ کھلی ہوئی تھی
پلٹے تھے جو بال کروٹوں میں
سوتے ہوئے فتنے کو جگائی
یہ پھول نہیں اژدہوں کا ہے بن
خندہ نہ ہو برق حاصل گل
انگشتری اپنی اس سے بدلی
سایہ بھی نہ اس پری پہ ڈالا
جب نقب افق سے مہر تابان
اوس نقب کے آستین سے نکلا
گل لیکے جب آملا وہ گلچین

کترا چوہوں نے دامن دشت
جب مہر تہ زمین سمایا
بوٹا سا یہ زمین سے نکلا
گوشے میں کوئی لگا نہ ہووے
خوابیدہ برنگ سبزہ سب تھے
خوش قد وہ چلا گل و سمن میں
حوض آئینہ وار بام و در تھا
پھول اسکا انسے کی ہوا تھا
پہنچا لب حوض سے نہ جب گل
گل لیکے بڑھا وہ باغ بر کف
سو خوابگہ بکاولی تھی
دیکھلاتا تھا وہ مکان جادو
آرام میں اس پری کو پایا
سیٹی تھی جو محرم اس قمر کی
بل کھا گئی تھی کمر لٹوں میں
سوچا کہ یہ زلف کف میں لپٹی
یہ کالے چراغ کے ہیں دشمن
پھر سمجھیں گے ہے جو زندگانی
مہر خط عاشقی سند لی
ہیبت سائیں کی دل میں آیا
نکلا تو وہ ماہرو خوبان!
وہ دیو نی اور وہ دخت انسان
اس نقب کی رخنہ بندیاں کین

پوشیدہ زمین کے دل میں کی راہ
اس نقب کی راہ آدم آیا
کھٹکا جو لگا ہیا نون کا تھا
خوشہ کوئی تاکتا نہ ہووے
نرگس کی کھلی نہ آنکھ یکچند
شمشاد روان ہوا چمن میں
رکھتا تھا وہ آب سے سو تاب
رشک جام جہان نما تھا
پوشاک اتار انز کے لایا
چوری سے چلا چراغ بر کف
گول اسکے ستون تھی ساعد حور
محراب سے در سے چشم و ابرو
بند اس کی وہ چشم نرگس تھی
پر جون پہ سے چاندنی تھی سرکی
چاہا کہ بلا گلے لگائے
ہے سانپ کی منہ میں انگلی دیتی
گل چین کی ہنسی نہ ہووے باکل
کچھ نام کو رکھ چلو نشانی
آہستہ پھر اوہ سرو بالا
اندیشے کی طرح سے سمایا
گل ہاتھ میں مثل دست بیضا
دونوں تھیں اسکی منتظر واں

## آوازہ ہونا بکاولی کا تاج الملوک گل چین کی تلاش میں

ان کا جو الم چمن چمن ہے
اور غنچۂ صبح کھلکھلایا
جاگی مرغ سحر کے غل سے
پر آب وہ چشم حوض پائی!
گھبراتی کہ ہیں کدھر گیا گل
ہے ہے مجھے خار دیگیا کون
نرگس تو دکھا کدھر گیا گل
شمشاد انہیں سولی پر چڑھانا
نرگس نے لگا ہبا زیان کیں
کہنے لگی کیا ہوا خدایا
سینم کے سوا چرانے والا!
جس گھر میں ہو گل چراغ ہوجائے
آنکھوں سے عزیز گل مرا تھا
اُس گل کو ہوا نہ دیتی تھی میں
او خار پڑا نہ تیرا جنگل!
خوشبوئی سگھا بتا نہ بتلا
لرزاں تھی زمین یہ دیکھ کہرام
شمشاد مم بجود اسکی سن کے فریاد
رنگ اسکا عرض لگا بدن سے
دست آویز اسی کے ہاتھ آئی

یوں بلبلِ خامہ نعرہ زن ہے
وہ سبزۂ باغ خواب آرام
اُٹھی نکہت سے فرش گل سے
دیکھا تو گل ہوا ہوا ہے
جھنجلائی کہ کون دیگیا جل
ہاتھ اُس پہ اگر پڑا نہیں ہے
سوسن تو بتا کدھر گیا گل
تھرائیں خواصیں صورت بید
سوسن نے زبان وا آزباں کیں
اپنوں میں سے پھول لیگیا کون
اوپر کا تھا کون آنے والا
بولی وہ بکاولی کہ افسوس
پتلی وہی چشم حوض کا تھا
گل چیں کا جو ہائے ہاتھ ٹوٹا
مشکیں کس لیں نہ توئے سنبل
بلبل تو چہک اگر خبر ہے
تھی سبزی سے راست سبز اندام
جو نخل تھا سوچ میں کھڑا تھا
گل برگ سے کف لگی وہ ملنے
خاتم تھی نام کی نشانی

گل چین نے وہ پھول جب اُڑایا
یعنی وہ بکاولی گل اندام
منہ دھونے جو آنکھ ملتی آئی
کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے
ہے ہے مرا پھول لیگیا کون
بو ہوکے تو پھول اُڑا نہیں ہے
سنبل مرا تازیانہ لانا
ایک ایک سے پوچھنے لگی بھید
پتا ئی پتے کو جب نہ پایا
بیگانہ تھا سبزی کے سوا کون
جس کف میں وہ گل ہو داغ ہوجائے
غفلت سے یہ پھول پڑی اوس
نام اس کا صبا نہ لیتی تھی میں
غنچے کے بھی منہ سے کچھ نہ پھوٹا
او باد صبا ہوا نہ بتلا
گل تو ہی مہک بتا کدھر ہے
انگلی لب جو پہ رکھ کے شمشاد
جو برگ تھا ہاتھ مل رہا تھا
بدلیکی انگوٹھی ڈھیلی پائی
انسان کی دست برد جانی

ہاتفوں کو بلا کر کہ ہیہات
وہ ہاتف لگے کہیں خدایا
یہ کہ کے جنون میں ہو غضبناک
سبزے کا سا تار تار داماں
ہے بسکہ غبار سے پھری وہ
گل چین کا کہیں پتہ نہ پاتی
جس تختے میں مثل باد جاتی
پتا نہیں حکم بن ہلا ہے

خاتم بھی بدل گیا ہے بدذات
عریاں مجھے دیکھ کر گیا ہے
خون روئی لباس کو کیا چاک
دکھلا کے کہا سمن پری کو
آندھی سی اٹھی ہوا ہوئی وہ
ہر باغ میں چھوتنے پھری وہ
اُس رنگ کے گل کی بو نہ پاتی

جس نے مجھے ہاتھ ہے لگایا
کھال اسکی جو کھینچئے سزا ہے
گل کا سا لہو بھرا گریبان
اب چین کہاں بکاولی کو
کہتی تھی پری کہ اُڑ کے جاتی
ہر شاخ پہ جھولتے پھری وہ
بیوقت کسی کو کچھ ملا ہے

## پہنچنا تاج الملوک کا ایک اندھے فقیر کے تکیے پر اور آزمانا گل کا

پھرنا جو وطن کا مدعا ہے
یعنے تاج الملوک حق بین
کہنے لگی لو مراد پائی
جوبن کی طرح اُسے اُبھارا
اور گل لئے آفتاب تابان
اس دیونی پاس آئے مضطر
کیا کہتی وہ دیونی کہا جاؤ
جب وقت پڑے دکھاؤ آگ
بولے کہ کدھر چلوگے کہدو
گلزار میں بیسوا کے لائے
چار آنکھیں ہوئیں تو تھے شناسا

اب صفحہ پہ یوں قلم پھرا ہے
جس وقت وہ گل چمن سے لایا
بولا وہ جو یاں سے ہو رہائی
جب دیو سیاہ شب سی مہتاب
ہنگام سحر ہوا شتابان
گل کی وہ غرض جتائی اسکو
دیووں سے کہا کہ تخت لے آؤ
دیو اُن کو سر پہ بیٹھا کے
فردوس کے رخ کہا ادھر کو
وقت سحر اور خنک ہوا تھی
قدموں پہ گری وہ سایہ سا

وہ گلشن مدعا کا گل چیں!
محمودا خوش ہوئی کہ آیا
گل کی وہ غرض آشکارہ
رخصت ہوا جیسے چشم سے خواب
وہ مہروش اور وہ ماہ پیکر
رخصت کی طلب سنائی اسکو
دو بال دئے کہ لو مری لاگ
پرواز کناں ہوا پہ جا کے
وہ مڑکے اُدھر کو اڑ کے آئے
گلگشت چمن میں بیسوا تھی
صدقے ہو کر کہا خوش آئے

جس گل کی ہوا لگی تھی لاؤ
بولا شہزادہ شکر ہے ہاں
پھول اُن کے سبب سے آگیا ہاتھ
شہزادے نے بھائیوں کے لئے نام
بچوں کھونوں داغ کھایا
چھوڑا ہوس گل وچمن کو
آیا لب جو وہ رشک شمشاد
جب متصل آگیا وطن کے
کیا جانیے کیا پڑی افتاد
لشکر کا نہیں کیا اشارہ
جنگل کی راہ سے چلا پردیس
تھا نقش قدم سا خاک رہ پر
وا جب تھی آزمائش گل
گل سے ہوئی چشم کور تابان
پہنچے سے مژہ کے لین بلائیں

ہمراہ یہ کون دوسری ہے
پر ہے گل آرزو سے دامان
جیتا تو پھرا وہ رشک شمشاد
بھجوایا برائے داغ پیغام
داغا تو چلے تفنگ سے وہ
چاروں داغی پھرے وطن کو
اسباب کا کشتیوں پہ کر بار
خندے یاد آئے مرد و زن کو
لازم ہے گل اپنے ہاتھ رکھیے
خود کشتی سے کر گیا کنارہ
تکیہ پہ فقیر پیر اندھا
ٹھیرا وہ مسافر اُس جگہ پر
پتلی پہ زر گل آزمایا
ہو جیسے چراغ سے چراغاں
گل کے جو اثر سے شادمان تھا

سایہ ہے کہ ہمقدم پری ہے
محمودا نام ہیں جو یہ ساتھ
قیدی کئے بیسوا نے آزاد
چھوٹوں اس نے تھا اُن کو نایا
چھوٹے قید فرنگ سے وہ
بندوں کو کیا جب اس نے آزاد
سونپا سب ناخدا کو گھر بار
سوچا کہ میں خود ہوں خانہ برباد
موقع نہیں پھر ساتھ رکھیے
وہ پوربی کر کے جوگیا بھیس
اک گوشے میں آنکھیں مانگتا تھا
بے تجربہ بھی نمائش گل
سونے کی کسوٹی پر چڑھایا
منہ دیکھ کے اُس نے دین دعائیں
گل چین وہ ہوا ہے ہمعنان تھا

## ملنا چاروں شہزادوں اور چھین جانا گل بکاولی کا تاج الملوک سے اور بینا ہونا چشم زین الملوک کا

ہے بسکہ یہ چرخ جور پیشہ
آپہنچے وہ چاروں غول گمراہ
کیا رنگ زمانے نے دکھائے
کیونکر بے پھول منہ دکھائیں

یوں خارِ رہ قلم ہے ریشہ
کہتے تھے کہ واہ رے مقدر
گل لینے گئے تھے داغ لائے
ٹھیرائے کہ اور پھول جائیں

یہ جا کے اُسی جگہ پہ ناگاہ
کس شکل سے پھر کے جاتے ہیں گھر
کس منہ سے پدر کے آگے جائیں
کھال کو بیوقوف ٹھیرائیں

اک بار ہوائی توڑ کر پھول
ہوجاتی ہیں روشن اندھی آنکھیں
بولا کہ یہ گل وہ گل نہیں ہے
دکھلائیں وہ گل تو آنکھیں کھلجائیں
چاروں کو تھی حسرتِ گلِ تر
باہم کہا دیکھو پھول لائے
جوگی بیٹے وہ شاہزادہ
رکھتے ہی نہ تم زمین پہ پاؤں
یہ کہ کے جو جیب سے نکالا
شورش میں وہ چار موج بیخس
گل پانی سے بسکہ سرخرو تھی
گل لیکر حضورِ شاہ آئے
پہنچے سے پلک کے پھول اٹھایا
آیا پھر آبِ رفتہ جو میں
دولت جو پاس تھی لٹائی
محتاج و گدا ہوئے تونگر

کہتے تھے پھول پھول کا غل
وہ کور کہ ہو چکا تھا بینا
اُس پھول کی اور گل نہیں ہے
میں کور بھی ہو چکا ہوں بینا
جو پائی ہو کیطرح چل
گل ہے کہ علاجِ نور ہے یہ
بولا کہ بکو نہیں زیادہ
ڈینگ آپکی سب فضول ہے یہ
اُن مفت بروں نے ہاتھ ڈالا
غولوں نے بزور پھول اُڑایا
گھوڑوں پہ ہوا کی مثل بوتھی
گل لائے جو نورِ دیدہ دلخواہ
اندھے نے گل آنکھوں سے لگایا
خورشیدِ بصر گہن سے چھوٹا
زر بخشا گل کے رونمائی
بجوائے طرب کے کارخانے

کیا پھول ہے کیا اثر ہے اسمیں
دیکھا اُس نے جو یہ قرینا
وہ جوگی جو جاتے ہیں اگر آئیں
اندھا نہیں اب ہوا ہوا ہوں میں
اوس جوگی کے جب برابر آئے
گل ہے کہ چراغِ طور ہے یہ
پاتے اگر اُس درخت کی چھاؤں
وہ گل یہ نہیں وہ پھول ہے یہ
قوت میں وہ چار تھے یہ یکس
اُس خضر کو راستہ بتایا
تعجیل سے روبراہ آئے
آنکھوں کیطرح پھڑک گیا شاہ
نور آگیا چشمِ آرزو میں
خیرات کے در کا قفل ٹوٹا
ایک ایک کو اِس قدر دیا زر
بجوائے خوشی کے شادیانے

## پہنچنا بکاولی کا دار الخلافت زین الملوک میں اور وزیر ہو کر تاج الملوک کی تلاش میں رہنا

گلچین کا جواب پتا ملا ہے
یعنی وہ بکاولی پریشان
دیکھا تو خوشی کے چہچہے تھے
ایک ایک ہزار داستان تھا

یوں شاخِ قلم سے گل کھلا ہے
گلشن سے جو خاک اُڑاتی آئی
گل چین کے شگوفے کھل رہے تھے
پاتی ہے پتا خوشی سے پھولی

وہ بادِ چمن چمن خرامان
اُس شہر میں آتے آتے آئی
گلیا نک زبان تھا جو جہاں تھا
شاد ایسی ہوئی کہ رنج بھولی

جادو سے بنی وہ آدمی زاد
انسانوں میں آملی پری زاد
سلطان کی سواری آرہی تھی
صورت جو نگاہ کی پری تھی
پوچھا اے آدم پری رو
انسان ہے پری ہے کون ہے تو
کیا نام ہے اور وطن کدھر ہے
ہے کونسا گل چمن کدھر ہے
دی اس نے دعا کیا بصد سوز
فرخ ہوں شہا بن ابن فیروز
گل ہوں تو کوئی چمن بتاؤں
غربت زدہ کیا وطن بتاؤں
گھر بار سے کیا فقیر کو کام
کیا لیجیے چھوڑے گاؤں کا نام
پوچھا کہ سبب کہا کہ قسمت
پوچھا کہ طلب کہا قناعت
باتوں پہ فدا ہوا شہنشاہ
لایا بصد امتیاز ہمراہ
چہرے سے امیرزادہ پایا
گھر لا کے وزیر اسے بنایا
نذریں لے بندگان درگاہ
دستور سے آملے بصد جاہ
دربار میں چار دن شاہزادے
دیکھا تو کھلے وہ دل کے سادے
چاہا گل چین کا امتحان لے
پوچھا کہ نگین جو ہے کہاں ہے
بتلانے لگے وہ چاروں نادان
کوئی یمن اور کوئی بدخشان
جانا کہ جو گل یہ لائے ہوتے
خاتم کے نگین بنائے ہوتے
تجویز میں تھا یہ صاحب فکر
آیا تاج الملوک کا ذکر
نقش اس کو ہوا کہ بس وہی ہے
ان سادوں سے کندہ کب ہوئی ہے
ظاہر نہ کیا بطون اپنا
طالع سے لیا شگون اپنا
منزل گہہ رہروان بنا کے
شام و سحر اس میں آپ آ کے
رہرو کو دیا بلطف اکرام
آتے آرام اور جاتے آرام

## آباد ہونا تاج الملوک کا گلشن نگارین بنوا کے اور شہرہ ہونا

تعمیر مکان کے ہیں جو آثار
یوں خامہ ہے بہر بیت معمار
شہزادہ کہ عازم وطن تھا
گل پانے سے خوش چمن چمن تھا
اندھے کو کیا جب اس نے بینا
اور داغیوں نے وہ پھول چھینا
سوچا کہ خوشی خدا کی غم کھاؤ
حمالہ دیونی کو بلواؤ
نقل ارم اک مکان بنا کے
رکھو پریوں کو اپنے لا کے
بال آگ پہ رکھتے آندھی آئی
وہ دیونی بال باندھی آئی
تنہا اسے دیکھ کر کہا ہیں
محمودا کیا ہوئیں کہاں ہیں
دریا پہ ہوں انکو چھوڑ آیا
مسکن کیلئے تمہیں بلایا
لیکن وہ مکان وہ حوض وہ باغ
جو بکاؤلی کو دے داغ
حمالہ نے دیوؤں کو کیا یاد
آئے تو کہا یہ بن ہو آباد
ویرانے کو گل زمین بناؤ

گلزار جواہرین بناؤ
دیوون نے اُدھر محل بنایا
محمود اسے ہوئی بغلگیر
گلشن میں سمن پروں کو لایا
پھل نخل ہوا صلت کا چکھا
دیو آدمی بن کے بن میں آئے
جنت سے وہ پھر پھرانہ گھر کو
مفلس زردار امیر قلاش
پھر تن میں نہ آئی صورت جان

صناع طلسم کار تھے وہ
کشتی سے وہ درخت زر کو لایا
کچھ دیوون کو چھوڑ کر وہیں پر
نسرین بدنون سے گھر بسایا
دیوون کو کہا کہ بہر تمکین
آتے جاتے کو گھیر لائے
ازبسکہ قریب شہر تھا باغ
نوکر تاجر فقیر خوش باش

گلشن کے لئے بہار تھے وہ
حمالہ اس کی مادر پیر!
رخصت ہو کر چلی گئی گھر
دونوں کو محل میں لاکے رکھا
آباد ہو گلشن نگارین!
جو سن کے خبر گیا ادھر کو
خورشید افق نظر پڑا باغ
گھر چھوڑ کے چل بسے سب انسان
. . . . . . . . . . . . . . . . . . .

## ملاقات ٹھیرنی زین الملوک اور تاج الملوک کی آپس میں

گلشن جو بنا جواہر آگین
دلبر کا غلام یاد فا تھا
دلوائے ہر ایک کو پئے قوت
کچھ ٹھیرے کچھ آئے جانب شہر
شحنے نے سُنا پکڑ بلایا
اک دائرہ تھا برنگ خورشید
جب واں سے طلب ہوا تو دربان
حیرت زدہ دور سب سے ٹھیرا
کم پایا یہ لوگ ہیں بظاہر

یوں صفحۂ قلم سے ہے نگارین
صحرا سے جو سیر کرکے آیا
الماس و عقیق و لعل و یاقوت
الفت میں وہ لعل بے بہا تھے
لیکر اظہار ساتھ لایا
دروازے پہ دیو ذکا تھا پہرہ
لائے اُسے پیشگاہ سلطان
اُن لوگوں نے کیا تھا ہمراہ
چوری کے تو یہ نہیں جواہر

ساعد نام ایک مہ لقا تھا
لکڑیکے چکا کے بوجھ لایا
تھی لبکہ وہ جا خلاصۂ دہر
من پاتے ہی لوگ اژدہا تھے
دیکھا تو وہ جلوہ گاہ امید
بھجوا کے خبر وہ شحنہ ٹھیرا
آداب کیا ادب سے ٹھیرا
معروض کیا کہ یا شہنشاہ
ساعد نے کہا کہ ہے یہ حاسد

نیت ہوئی ہوگی اس کی فاسد
پھر کر انہیں پاؤں سمت فاسد
یہ شہر اُجڑ کے وہ بسائے
حضرت نے کہا کہ یک نہ خیرہ
سلطان کا بیشتر نیک و بد تھا
ہر چند کہ طرفہ حال ہے یہ

حضرت یہ وہی تو ہیں نبردار
آیا زین الملوک کے پاس
جو کوئی اس جگہ پہ جاتا
قارون کا وہیں ہے کیا ذخیرہ
بولا کہ شہا یہ بات کیا ہے
کچھ دور نہیں مثال ہے یہ

جاں ان سے نہ بولیو خبردار
کی عرض کہ باغ اک بنائے
ڈیروں میں جواہرات پاتا
فرخ کہ وزیر با خبر تھا
نیرنگ و فسوں کا گھر بڑا ہے
. . . . . . . . . . .

## حکایت ایک عورت کے مرد بن جانیکی دیو کے جادو سے

اک ملک میں ایک صاحب فوج
جنتی تھی ہمیشہ دختر اس کو
اک بار محل میں پھر حمل تھا
بیٹیا جو نہ دے جناب باری
کنیا تھی غرض کہ راس اُسکی
گھر والوں کو خوف کا محل تھا
ہر چند ستارہ ماں کا تھا ماند
باوے فلک سے ہو کے ہمساز
حضرت یہ پسر ہے نیک اختر
حضرت نہ پسر کے سامنے ہوں
وہ گندم جو نما تھی بالی
ٹھیرائی کہیں کی شاہزادی
اک شب کسی شتا میں تھی ڈیری

رکھتا تھا محل میں بازور زوج
از بسکہ وہ شاہ تھا بد اختر
وہ شاہ کہ ظلم میں مثل تھا
اقبال کا کچھ نہ جانئے اوج
پوری نہ ہوئی وہ آس اُسکی
ملحوظ بدل تھا پردہ زار
تھی چاندنی سہرہ کردیا چاند
بیٹے کا وہ زائچہ بنا کے
بدبین مگر ہے ایک اختر
حیلہ کر کے چھپائی یک چند
مردانہ لباس سے نکالی
بن ٹھن کے عروس شکل داماد
اور روز نکاح تھا سویرے

تھا داغ پسر مقدر اس کو
کرتا تھا حسد سے قتل دختر
کھا بیٹھا قسم کہ اب کی باری
کر ڈالئے ذبح دختر و زوج
سُلطان کا جو عہد بے خلل تھا
سیارہ شناسیوں سے کیا ساز
پھر اہل نجوم محرم راز
گویا ہوئے دست بستہ آکے
جبتک نہ چلے یہ اپنے پاؤں
بیتاب ہوا جب آرزومند
خوش ہو کے پدر نے بہر شادی
شادی کو چلے بجان ناشاد
خیمے سے وہ بے قرار نکلی

اُس چھلاوے سے مثل غار نکلی
اک دیو وہاں پہ گشت میں تھا
منہ کھولو عدم کی راہ بتلاؤ
اے مرد خدا خدا کی سوگند
خنجر کا ہو کیا نام سے کام
آنکھیں جھکا کے دیو بولا
تو مجھ سی بنے میں کچھ سابن جاؤں
پائی مردانگی کے پر تو
وان شیشہ رہا ترشکے ساغر
بولا کہ شہا جو یہ ہوا ہے
بے دیکھے سنے کو کس نے مانا

دیکھا تو اندھیری رات سنسان
جو پائے لنکار دشت میں تھا
بولا وہ کہ سن تو آدمی زاد
کہ کس لئے ہے تو آرزومند
کہ کر کھلی بندون جی کی تنگی
تو کیا کھلی پردہ تو نے کھولا
موند آنکھ کہا تو موندے آنکھ
دامن میں سے دے چراغ لے لو
اب یاں سے ہے قصہ مختصر طول
اس بات کا پھر وجود کیا ہے
یاد آئی مجھے بھی اک روایت

ایک عالم ہو ہے اور بیابان
دیکھا تو کہا خضر ملے آؤ
کیوں تنگ ہے جیسے کیا ہی بیداد
بولی وہ کہ یہ خیال ہے خام
بے ننگ ہوئی وہ شوخ ننگی
خاطر تیری ہے طلسم دکھلاؤں
کھول آنکھ کہا تو کھول لے آنکھ
تھالی میں یہاں اوگا صنوبر
فرخ کہ وہ تھا وزیر معقول
شہ نے کہا سُن وزیر دانا
یہ کہ کے بیان کی حکایت

## حکایت نصیحت گری مرغ اسیر اور نافہمی صیاد کی

اک مرغ ہوا اسیر صیاد
کھلتا نہیں کس طمع پہ ہے تو
پالا تو مفارقت ہے انجام
سمجھاؤں جو پند اسے گرہ باندھ
قابو ہو تو کیجیے نہ غفلت
جاتا ہو تو اُس کا غم نہ کیجے
بازو کے جو بند کھول ڈالے
کیوں پر مرا کیا سمجھ کے کھولا
دولت نہ نصیب میں تھی تیری

دانا تھا وہ طائر چمن زار
بیچا تو ٹکے کا جانور ہوں
دانا ہو تو مجھ سے لے مرے دام
سُن کوئی ہزار کچھ سنائے
عاجز ہو تو ہاریے نہ ہمت
طائر کے یہ سُن کلام صیاد
طائر نے تڑپ کے پر نکالے
ہمت نے مری مجھے اُڑایا
تھا لعل نہان شکم میں میرے

بولا جب اس نے باندھی بازو
گر ذبح کیا تو مشت پر ہوں
بازو میں نہ تو مرے گرہ باندھ
کیجے وہی جو سمجھ میں آئے
آتا ہو تو ہاتھ سے نہ دیجے
بن دام ہوا غلام صیاد
اک شاخ پہ جا چہک کے بولا
غفلت نے تیری مجھے چھڑایا
دیکر صیاد نے دلاسا

چاہا پھر کچھ لگائے لاسا
ارباب غرض کی بات سنکر
دیکھ آ جو تجھے وہاں نہ ہووے
نقشے میں وہ گلشن نگارین
پردیس میں ہوں کہ گھر مرا ہے
آداب ایک کرکے حسب دستور
کیا جانئے کہ خود بکاولی ہے
انسان ہوں بندۂ خدا ہوں
بن گھیر لیا مکان بنا کے
دعوے یہ ہے یاں زمین دابی
سرآنکھوں سے چلکے جیسا ہو
درویشی ہیں دلکے بادشاہ ہیں
مثل دل بدگمان رکا تھا
بولا وہ فقیر کی بلا جائے
اُٹھ جائیگا درمیان سے پردا
شہزادہ وہ شاہ محل ہیں تھی وان
فرخ فرخ پکار اُٹھا
دیکھ آیا ہیں وہ مکان یاقوت
گلشن ہے جواہرین کہ جادو
دیوؤں کی بنائی ہے وہ بنیاد
درویش ہے شاہ نام کو ہے
کل آپ بھی چل کے کیجیے سیر

بولا وہ کہ دیکھ کر کیا جعل
کر لیجیے ایک بیک نہ باور
مشتاق تو تھا چلا بدستور
گلزار ارم سے تھا خوش آئین
اس سوچ میں تخت گہ تک آیا
ٹھیرا تو وہ بادشاہ منظور
پوچھا کہ کدھر سے آئے کیا کام
بھیجا زین الملوک کا ہوں
بہکا کے بسائے ہردم شہر
آبادی میں آئی ہے خرابی
بولا وہ کہ فتنہ گر نہیں ہم
مسند کے تکیے پر گدا ہیں
بولا چلو صلح درمیان ہو
مشتاق جو ہو وہ شوق سے آئے
یہ کہ کے پھرا وزیر آیا
برہم زدہ بزم کے چراغان
سلطان کے نثار ہو کر دستور
ہے معدن لعل و کان یاقوت
نقشہ کہوں کہ نگارخانہ
رہنے والے ہیں آدمی زاد
دیوا سکے عمل ہیں آگئے ہیں
وعدہ کر آیا ہوں کہا خیر

ظاہر بھی کہیں نکلتے ہیں لعل
فرخ یہ وہی مثل نہ ہووے
دکھلائی دیا وہ بقعۂ نور
حیرت تھی کہ یہ طلسم کیا ہے
حیران وہ وزیر شہ تک آیا
سمجھا کہ حسین آدمی ہے
بولا وہ کہ نام سے ہے کیا کام
گستاخی معاف آپ آئیے
حضرت کا بڑا ہے آپ پر قہر
خراب بھی رفع شر جو چاہو
شر جن سے ہو وہ بشر نہیں ہم
دستور کہ عرض کر چکا تھا
باہم مہ و مہر کا قران ہو
بولا وہ کہ خیر تا بہ فردا
پہنچا تو وہ شہر خالی پایا
شہ نے جو وزیر آتے دیکھا
بولا کہ بلائے شاہ ہو دور
تختہ ہے زمردین کہ مینو
جادو کا تمام کارخانہ
واں صاحب تاج و تخت جو ہے
جادو کے محل بنا گئے ہیں
. . . . . . . . . .

بھید کھلنا چھپے ہوؤں کا ایک ایک کرکے

اب خامے سے واشگاف یوں ہے
سوچا کہ ہو ٹھاٹھ کل زیادہ
دعوت کی اس نے خبر سنائی
پلکوں سے زمین بن کی جھاڑی
صناعی انہیں نے رات بھر کی
چاروں شہزادے بیکے ہمراہ
مشرق سے رواں ہوا دلاور
فراش ابر کی طرح بچھتے پائے
شہ دیکھتا تھا دشت پر خس تھا
اپنے ہی جگر کا داغ ہے یہ
اتنے میں سنا کہ صاحب تاج
سنا تے ہیں کہتے کہ اللہ اللہ
شہزادے نے آداب کی بجا لائی
دولت کی کھلیں ہزار آنکھیں
وہ چتر کی زیر سایہ بیٹھے
لے آئے خواص نازک اندام
رغبت سے انہیں کھلایا کی
کے نام و نشان دل نشیں ہیں
اک اور ہوا تھا قابل خشم
نکلا نسب خار روشنی کا
پوچھا شہزادے نے کہ یا شاہ
کو کا اسی شاہزادے کا تھا
صورت وہی رنگ روپ وہی ہے
سر پاؤں پہ رکھ دیا پدر کو
لے لے کے بلائیں کاکلوں کی

دل ملنے کی راہ صاف یوں ہی
رکھ آتش پہ دوسرا بال
دیو ونکی رخ اس نے آنکھ اٹھائی
خوبوں سے بھرا جو تھا بیابان
مشتاق واں نے وہ شب سحر کی
جو جو امرا تھے سب بلا کے
جسطرح افق سے شاہ خاور
دیکھا تو تمام دشت گلزار
فرخ کہتا تھا کل تلک تھا
تجویز رہے تھے سب کے سب تنگ
جنت بڑھتے آگے سب تاراج
دیکھے جو جواہرات کے ڈھیر
کی نادر خانہ پیشوائی!
ایوان جواہرین میں آئے
افسر سب پایہ پایہ بیٹھے
چکنی ڈلی عطر الایچی پان
بولا شہزادہ مسکرا کے
سلطان نے کہا بصد لطافت
وہ نور بصر تھا دشمن چشم
پوچھا اس نے وہ اب کدھر ہے
صورت سے ہوا اسکی کوئی آگاہ
بولا کہ حضور ادھر تو دیکھیں
لہجہ وہی گفتگو وہی ہے
سر قدموں سے شاہ نے اٹھایا
پیشانی چومی پیٹھ ٹھونکی

فرخ جو گیا تو شاہزادہ
حاضر ہوئی دیو نی فوی بال
ہمچشموں نے چتون اسکی تاڑی
پیوندوں سے بنا دیا خیابان
بجتے ہی گجر دہ شاہزادی جا وہ
فرخ کو خواصی میں بٹھا کے
بجلی سے جو زرق برق آئی
دائیں بائیں دو رستہ بازار
غافل تھے کہ سبز باغ ہے یہ
جادو افسون طلسم نیرنگ
کیا لشکری اور کیا شمشاد
سب من کی ہوس سے ہوگئے سیر
دونوں میں ہوئیں جو چار آنکھیں
الماس کے شہ نشین میں آئے
جو جو کہ نوا درخانے میں تھے سم
نقل و مے وجام و خوان الوان
اس تاج شہی میں کے نگین ہیں
یہ چار ہیں عنصر خلافت
جب لائے یہ گل بکاولی کا
سلطان نے کہا کہ کیا خبر ہے
اک ان میں سے چشم آشنا تھا
دیکھا تو کہا مری نظر میں
یہ سنتے ہی اس نے خندہ کرکے
فرزند کو چھاتی سے لگایا
غرض اس نے کیا کہ دو پرستار

پابوسی شہ کے ہیں طلب گار
شہزادے نے اک مکان بتایا
بیٹھے رہے فرش گل پہ داغی
دلبر سے کہا میں جب کہوں آؤ
بے پردہ حضور شہ بلایا
اُٹھ جائیں یہ چاروں سست بنیاد
یکبار گی شاہ ہو گیا دنگ
یاں دل پہ تھے داغ واں سرین
وہ گھات وہ جیتنا تمامی
وہ دیو کی بھوک اور وہ تقریر
محمودا کی وہ آدمیت
وہ سیر چمن وہ پھول لینا
وہ غونوں سے ملکے پھول کھونا
وہ نزہت گلشن نگارین
پنہاں تھا جو کچھ عیاں کیا سب
پہلے تو بہت وہ منہ چڑھی ڈھیٹ
پابوسی شہ کو سر سے آئیں
نذریں اُن دونوں نے دکھائیں
بولا بیٹے سے جان بابا
مشتاق کو رو براہ پایا
اشکوں کے گہر گئے نچھاور
ہر خویش و یگانہ سے ملا وہ
حضرت نے کہا بلائیے خیر
ایک ایک اُٹھا ادھر کو آیا
شہزادہ اُٹھا محل میں آیا
تو کہیو یہ چاروں داغی اُٹھواؤ
دلبر نے کہا نہ جاؤں گی میں
داغی ہوتے ہیں غلام آزاد
دکھلائی دیئے جو بیٹھے بے رُخ
یاں نام پہ حرف واں نگین پہ
وہ دسترس اور وہ پائمردی
وہ حلوے کی چاٹ اور وہ تحریر
تجویز کی وہ سرنگ کی راہ
وہ عزم وطن وہ وداع دینا
وہ بال کو آگ کا دکھانا
وہ دعوت بادشاہ وہ تمکین
انگشتری پری دکھا کر
آخر داغی دکھا گئے پیٹ
حضرت نے سمجھ کے حسن خدمت
رخصت ہو کر محل میں آئیں
روشن کیا دیدۂ پدر کو
ہمراہ اُسے تا بخانہ لایا
وہ طفل بھی گر پڑا قدم پر
پھر اپنی جگہ پہ آ گیا وہ
اُٹھ جائیں جو بیٹھے ہوں ان بہا خیر
سب اُٹھ گئے پر وہ چار لوباغی
پردے تلک اُن کو ساتھ لایا
در پردہ سکھا کے باہر آیا
قربان گئی نہ آؤنگی میں
چاروں کا یہ سنتے ہی اُڑا رنگ
دیکھا تاج الملوک کے رُخ
وہ جعل وہ ہار وہ غلامی
وہ بیکسی اور دشت گردی
وہ ستی وہ دیونی کی صحبت
اور موش دوانیاں وہ دلخواہ
وہ کور کے حق میں خضر ہونا
وعدے پہ وہ دیونی کا آنا
گذرا تھا جو کچھ بیاں کیا سب
کھلوائی سرین کی مہر محضر
اُٹھوا کے انہیں وہ دو خوش آئیں
دونوں کو دیئے خطاب و خلعت
مسند سے شاہ اُٹھ کے ہجایا
مادر کے بھی چل کر آنسو پونچھو
مادر نے جو دیکھا وہ دلاؤ
مانند سرشک چشم مادر
. . . . . . . . .

## غائب ہو جانا فرخ یعنی بکاولی کا اور ربوانا تاج الملوک کو گلشن نگارین سے اور متفق ہو کر گلزار ارم میں رہنا

کھلنے پہ جو ہے طلسم تقدیر
یعنے وہ بکاولی مستور
سوچی کہ دلا شتاب کیا ہے
تغییر لباس کر گئی وہ
غربت سے چلی وطن میں آئی
صدقے ہوئی کوئی کوئی قربان
ولی کہو کیا کیا کہا خوب
لکھا گل چین کے نام نامہ
اے دلبر دلبران دغا باز
وے لقب دوان باغ گلرنگ
اے رہرو رو براہ نہادہ
وے لعل نلسئہ سنگ خارا
اے باعث عزم نیز بانی
وے سرمہ چشم آشنائی
تو باغ ارم سے لیگیا گل
فرخ ترے واسطے ہوئی ہیں
جو جو اسرار تھے نہانی
جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے
کیا کہیئے کہ صورت اور کچھ تھی
جلد آگے ہے مصلحت اسی میں
داغوں پہ دئے ہیں داغ تو نے

اب خامے نے یوں کیا ہے تحریر
مطلوب کا سن کے سب حال
پھر سمجھے گئے اضطراب کیا ہے
فرخ کہنے تک آدمی تھی
صحرا میں اُڑی چمن میں آئی
اس غنچہ میں اک سمن پری تھی
بے کچھ کہے پھر بھی آئی کیا خوب
اے یوسف چشم زخم یعقوب
وے دیو سوار عرش پرواز
اے پردہ کشائے بے حجابی
وے صرصر گل بباد دادہ
اے بے خبر طلسم صورت
وے صاحب بزم مہربانی
اے پردہ کشائے روئے پنہان
تو تجھ سی پری کو دے گیا جل
تجھکو تیرے باپ سے ملایا
سب تجھ سے سُنے تری زبانی
چاہا تھا کروں سیر سے پامال
وقت اور ضرورت اور کچھ تھی
آئے گا تو گذر کروں گی
دکھلائے ہیں سبز باغ تو نے

فرخ وہ پادشہ کا دستور
چاہے کہ نکالے کچھ پر و بال
اس وضع کا پاس کر گئے وہ
پھر وہ ہی بکاولی پری تھی
پژمردہ خواصوں میں پڑی جان
وہ ہم نفس بکاولی تھی !
مانگا کاغذ دوات خامہ
وے رشک برادران منکوب
اے آب نہ زمین نیرنگ
وے دزد حنائے دستیانی
اے بے سر و برگ گلشن آرا
وے بے بصر رخ ضرورت
اے آئینہ دار خود نمائی
وے داغ نمائے پشت اخوان
بیر رخ ترے واسطے ہوئی ہیں
مجھ کو یہ ملا کہ تجھ کو پایا
کیا لطف جو غیر پر وہ کھولے
کر شکر سمجھ کے تھا خوش اقبال
اب تک ہیں وہ خار جس کے جی میں
ورنہ میں بہت سا شر کرونگی
کانٹوں میں اگر نہ ہوا الجھنا

تھوڑا سا لکھا بہت سمجھنا
یہ خط یہ انگوٹھی لے ابھی جا
رہتا ہے وہیں مرا وہ گلچین
خط خاتم لیکے وہ ہوائی
ثابت ہوا گلشن نگارین
گلگشت میں تھا کسی روش پر
دھیان اس کو بکاولی کا آیا
پرتو پہ وہ یوں چلا تڑپ کے
قاصد نے دیا وہ خط پری کا
قاصد سے کلام لطف بولا
قسمت کا نوشتہ یک قلم تھا
منگوا کے وہیں دوات خامہ
فرخ لقب و بکاولی نام
مینے جو غرض سے جی چرایا
توں نیک تھی سب ملے گئی ہوں
تقدیر پھری پھری نہیں تو
جی کھول کے داغ دل دکھاتا
اب مجھ میں وہ دم اجی کہاں ہے
میں کیا کہ خبر نہ پہنچے میری
تجھ سے مری خاطر اب کہاں جمع
تو سیل رواں میں خستہ ایوان
دھڑکا ہے یہی تو جان دونگا
انساں کی ہے مرگ زندگانی
حمالہ کو بھیج آکے لے جائے
آسان ہے یہاں بھی جان دینا

پھر خط کی نہ ہو امیدواری
پورب کی سمت کو چلی جا
خاتم کے نشان سے نامہ دیجو
پتا ہوئی اور تپے پہ آئی
وہ آدم حوروش پری رو
محمود ادا ایٹں یا ہیٹں دلبر
پہچانتے ہی نگین خاتم
انگارے پہ جیسے کیک ٹپکے
گو سرمہ خموشی نے کھلایا
خط صورت چشم شوق کھولا
تحریر تھی سرگذشت ساری
تحریر کیا جواب نامہ
اس نام کے اس لقب کے صدقے
تو نے کیوں آکے منہ چھپایا
تو جائے تو کیوں نہ آئے افسوس
امید گئی گئی نہیں تو
معلوم تو ہے کہ شوق کیا تھا
وہ دل وہ جگر وہ جی کہاں ہے
قابل وہاں آنے کے کہاں ہوں
تو نشتر شعلہ میں رگ شمع
تو جوشش سیم میں موڑے پر
مر جاؤنگا اب نہ میں جیونگا
منظور جو ہو حیات میری
شاید مجھے زندہ پاکے پہنچا
یہ لکھ کے جو خط سی پا تھ اٹھایا

لفظ ہے قلم کی دوسنداری
رشتے میں ہے گلشن نگارین
ٹھیرے رہیو جواب لیجو
وہ باغ کہ تھا جواہر آگیں
یعنے تاج الملوک خوشخو
قاصد نے جو رخ پری کو دکھایا
بے شبہ ہوا الیقین کا عالم
دھوکا تھا فقط بکاولی کا
تحریر کو آنکھوں سے لگایا
وہ نامہ کہ عنبریں رقم تھا
کچھ پاس تھی کچھ امیدواری
اے شاہ ہا رم کی دخت گلفام
اس نامہ کے اس طلب کے صدقے
میری جو بدی ہوئی تھی کچھ یوں
افسوس افسوس ہائے افسوس
اے کاش میں کچھ بھی سانس پاتا
جو کھینچ کے پاس سی لیگیا تھا
مر جاؤں اگر طلب میں تیری
یاں بھی رہا تو نیم جان ہوں
تو برق وہاں میں خرمن خار
میں نقش قدم تو باد صرصر
ہو تجھ سی پری جو خصم جانی
تو مان لے ایک بات میری!
بھیجا نہ اسے تو جان لینا
قاصد نے لیا جواب لایا

مطلوب کا خط وہ پڑھ رہی تھی
گل چین مرا کو لنسا بشر ہے
یہ سنکے وہ شعلہ ہو بھبوکا
داماد کو گل دیا مجھے خار
جمالہ جلی ہو کہا کہوں میں
بگڑی ہوئی بات یوں بنائی
میرا تو نہیں قصور ہے کچھ
یہ کہ کے اُٹھی چلی ہوائی
حمالہ کو دیکھتے ہی رو رو
چل دیکھ تو چھیڑ چھاڑ کیا ہے
لرزہ سا چڑھا جو دیونی پر
واں آئی پھبکی ہان جمیلہ
گلزار کی سیر خوب بھائی
گل چین نہ ہوا ہو کوئی پیدا
تقریر جو بھولے پن کی پائی
رخ میری طرف نظر کہیں اور
جب اُٹھ گئی یہ تو دیونی وہ
اندیشے سے کانپ اُٹھا گنہگار
واں سرمہ چشم گرم تسخیر
یاں تاب سخن نہیں سر مو
کیا کہتی ہوں میں ادھر تو دیکھو
فرمایئے کیا سزا تمہاری
کی عرض رضا ہے جو خوشی ہو
کالے ناگوں سے مجھ کو ڈسوا
زندان میں جو زندہ کھینچا ہو

دیکھا تو وہ دیونی کھڑی تھی
وہ صدقے ہوئی کہا بلاؤں
بولی کہ تجھے لگاؤں تو کا
گل نقب کی راہ لیگیا چور
داماد کو لا ٹھنڈی ہوئیں
محمودا ہے اک کنیز زادی
شاید اسکا فتور ہے کچھ
آئی تو یہ زار نیم جان تھا
پوچھا کہ تو سینے آئی مجھ کو
کچھ بول کے زیب لب وہ دل زار
مانند خواص اُڑی وہ مضطر
شکوہ کرنے لگی پری سے
برسوں سے نہیں تو گھر کبھی آئی
میں کیا جانوں مجھے خبر کیا
وہ سادہ دل اُٹھ کے گھر کو آئی
مادر کی کلام سنکے دختر
حاضر ہوئی لیکے آدمی وہ
واں غصہ بھری غضب وہ چتون
یاں قطرۂ اشک زگلو گیر
بولی وہ پری بصد تامل
میری طرف اک نظر تو دیکھو
قابو میں پری کے تھا سلیمان
عاشق کی سزا جو پوچھتی ہو
تلوار سے قتل ہو جو مقتول
اپنے دل تنگ میں جگہ دو

پوچھا کہ آری تجھے خبر ہے
بے دیکھے کسکا نام کیا لون
تیرا ہی تو ہے فساد مردار
زندہ کروں اس موئے کو در گور
آگاہی جو دیونی نے پائی
انسان سے ہوئی ہے اسکی شادی
مجرم جو وہ ہے تو تو ہیں لائی
آپ اپنی قضا کا نوحہ خواں تھا
بولی وہ بنی بگاڑ کیا ہے
ہے جان میں تب کے ہم سی بیمار
اس سمت سے پہنچی یہ عقیلہ
یوں کہنے لگی بکاولی سے
بے طرح گلوں کی ہی توشیدا
رخ کس کو تکتے ہیں نظر کیا
کھلتے ہیں کچھ انتظار کے طور
بولی کہ چمن تو ہے مرا گھر
آیا تو وہ منتظر تھی خونخوار
پلکوں سے یہاں نظر پہ چلمن
واں پھانسنے کو بلا وہ گیسو
کیوں جی تمہیں لے گئے تھے وہ گل
ہے یہ نہیں یہ خطا تمہاری
بولی بنایئے کیا پشیمان
مشکیں زلفوں سے مشکیں کسوائے
ابرو کے اشارے سے کرو چور
یہ سن کے وہ شاخ مسکرا دہ

بولی اُسے چھاتی سے لگا کے
رخ دیکھ چکی ہوں اب ترا میں
مستی نے دلوں کے عقدے کھولے
وان غنچہ یاسمین تھا گلنار
پھولی رخ مہر پر شفق یاں

گلچین تو نہیں فقط چمن کا
یہ دوسرے کو کھاؤں کیا یاں
کاوش یہ ہوا گھر کے الماس
یا دامن سرو ارغوان زار
کیا آگے لکھوں کہ اب سرشت

محرم ہے سارے تن بدن کا
یہ کہ کے ہونٹ سے قند کھولے
غنچے نے بجھائی اس سے پیاس
وان صبح صفا تھی گل بد امان
ہوتا ہے دوات میں قلم مست

## افشائے راز ہو کر پھنسنا تاج الملوک کا طلسم مین اور مقید ہونا بکاولی کا

خونی رقمی سے کلک شنجرف
ہے شمع فروز پردہ راز
گذرانی خبر برابر اُس کی
اگرچہ ہی دیکھتی جمیلہ
وہ شعلۂ آتشین لپک کے
کاٹو تو لہو نہ تھا بدن میں
تھمتا نہیں غصہ تھا سے سے
سایہ سی رہی قدم پکڑ کے

ہے سرکشائے معنی و حرف
ہمدم جو بکاولی نے پایا
اک شب کہ تھی خال روئے قسمت
غماز یہ غم خوشی میں لایا
بجلی سی گری چمک دمک کے
حرمت میں لگایا داغ تو نے
چل دور ہو میرے سامنے سے
مادر نے ہزار سامان میں

ازبسکہ یہ عشق فتنہ پرداز
بھڑکائی جمیلہ مادر اُس کی
یا مردم دیدہ قیامت
روشن ہے چراغ اور فتیلہ
دونوں کی رہی نہ جان تن میں
لٹوائی بہار باغ تو نے
خجلت سے پری زمین میں گڑ کے
رکھا اُسے قید کے مکان میں

## پابزنجیر ہونا بکاولی کا سودائے فراق تاج الملوک مین

سودائے الم ہے اب جو تحریر
حرفوں سے قلم ہے پابزنجیر
سنسان وہ دم بخود رہی تھی

کچھ کہتی تو ضبط سے تھی کہتی
جامے سے جو زندگی کی تھی تنگ
زائل ہوئی اسکی طاقت و تاب
آنے لگے بیٹھے بیٹھے چکر
دانا و عقیل و خوش بیان تھین
ثابت نہ کچھ اثر ستارے کا ہے
منہ دیکھ تو آئینہ لگا کر
ہے ہے تری عقل کسنے کھوئی
رہتا نہیں پانی میں سمندر
روشن ہے جو کچھ کیا ہے اندھیر
تو یہ کا تو در نہیں کیا بند
اے شمع نہ سوچی گر بد و نیک
اب مان نہ مان تو ہے مختار
غم راہ نہیں کہ ساتھ دیجے
اب ایک کہو گے تم تو میں دس
ماما مری حالت اب دی ہے
تم کیا ہو ہزار مین کہوں میں!
مجنوں ہوا گر تو فصد لیجے
درمان کیلئے دوا دوش ہو
آخر یہ توجہی سے اپنی ہو تنگ
رہتے نہ کہین گلے پہ تلوار
کر یاد کہین چہ ذقن کو
ہے باعث مرگ ناگہانی
بیڑی تھی رخ جنوں کی کاکل
زنجیر ہے پیش پا فتادہ

کرتی تھی جو بھوک پیاس لیمین
کپڑوں کے عوض بدلتی تھی رنگ
صورت میں خیال رہ گئی وہ
فانوس خیال بن گیا گھر
سمجھانے لگیں کہ مرتی ہے کیوں
کس چاند کو کیا گہن لگا ہے
صورت تری زار ہو گئی ہے
تا جنس کو چاہتا ہے کوئی
مذکور نہیں ہے کچھ حسد کا
پھر اپنی سمجھ کا ہے پھیر
بھولے سے کبھی کر نہ یاد آدم
رستہ کا ٹیگا تجھ سے ہر ایک
تو قید جفا میں ہے کہ ہم ہیں
دکھ پوچھ نہیں کہ بانٹ لیجے
رنجور جو ہوں تو مین تمہیں کیا
بہتر ہے وہی جو کچھ بدی ہے
سوچین وہ کہ یہ نہیں سمجھتی
سایہ ہو تو دوڑ دھوپ کیجے
بیماری عشق لا دوا ہے
ایسا نہ ہو لائے اور کچھ رنگ
وہ سبزہ خط جو یاد آئے
کودے نہ کنوئیں مین باولی ہو
تدبیر کا حوصلہ نکالا
پابوسی گل کو آیا سنبل
شوریدہ بکاولی غضب تھی

آنسو پیتی تھی کھا کے قسمیں
یکچند جو گذری بے خور و خواب
ہیئت میں مثال رہ گئی وہ
پریاں وہ جو اسکی پاسبان تھیں
ترک خور و خواب کرتی ہے کیوں
رحم اپنی جوانی پر ذرا کر
گل ہوکے تو خار ہو گئی ہے
سہتی نہیں آگ ما ہیئے تر
ساتھی نہیں کوئی کار بد کا
محبوس کیا ہے تجھ کو ہر چند
پھر گھر وہی تو وہی ہم
سمجھانے سے تھا ہمیں سر کا
تو دام بلا میں ہے کہ ہم ہیں
جھنجلائی بکاولی کہ بس بس
مجبور جو ہوں تو میں تمہیں کیا
بلبل اسی رشک گل کی ہو نین
ہے بلکہ برنگ زلف الجھتی
کچھ روک جو در پے خلش ہو
اس باغ کی اور ہی ہوا ہے
یاد آئیں جو ابروان خمدار
جھنجلا کے کہیں نہ زہر کھائے
دیوانے کی مطلق العنانی
زنجیر کا سلسلہ نکالا
جب وحشت عشق ہو زیادہ
زنجیروں میں بھی وہ بند کب تھی

بڑھتی جب دل کی بیقراری
بیتابی دل جہان جہان ہے

پڑھتی یہ غزل بآہ وزاری

## غزل

عالم کا ترے جہان بیاں ہے
. . . . . . . . .

زنجیر جنون کڑی نہ پڑیو
قائم جو زمین و آسمان ہے
کس سوچ میں ہو نسیم بولو

دیوانے کا پاؤں درمیان ہے
جو داغ کہ مہر ہے فلک پر
آنکھیں تو ملاؤ دل کہاں ہے

ذرے کا بھی چمکیگا ستارا
دلمیں مرے ابتلک نہاں ہے
. . . . . . . . .

## آنا تاج الملوک کا صحرائے طلسم میں روح افزا پری کے ساتھ فرموس میں

پھر گہر طلسم اخلاص
وہ غرقہ بحر آشنائی
بے مہری چرخ سے جو ناگاہ
سو ماہی بحر ابتری تھا
دریا تھا نہ بحر تھا نہ جیحون
ابھرا تو نہ کچھ نظر سے گذرا
آگے جو پڑا جزیرہ دیکھا
ہاتھ آیا نہ کچھ حباب کی طور
اور آگے بڑھا وہ بحر اوہام
اک نخل کہن پہ چڑھ کے بیٹھا
صورت میں پہاڑ کی نشانی
اس کالے نے من نسیم ڈالا
جب صبح ہوئی تو منہ میں ڈالا
من افعی شب کی منہ سے نکالا

ہے بحر سخن میں خامہ غواص
وہ بادشہ حباب افسر
گرداب کے ہالے کا ہوا ماہ
بادل سادہ آسمان جوش
طوفان طلسم جوش افسون
موجوں کے عوض تھی چین داماں
اشجار کا واں ذخیرہ دیکھا
جانا کہ طلسم کا ہے جنگل
ڈوبا خورشید ہوگئی شام
ناگاہ سنی صدائے پرخوف
سیرت میں بلائے ناگہانی
لہرا لہرا کے اوس چاٹی
کالے نے من اژدہے نے کالا
سوچا وہ کہ لیجے من کسی طور

وہ قطرۂ بارش جدائی!
یعنے تاج الملوک مضطر!
جو ماہ سپہر برتری تھا!
بجلی سے لہر سے تمنا ہم آغوش
گرتے تو وہ پانی سر سے گذرا
گرداب کے بدلے تھا گریبان
جس پھول کو چھوا جو یہ کیا غور
ہے یاں کے درخت کا یہی پھل
ڈر جانوروں کا جی میں بیٹھا
آیا اک اژدہا پئے طوف
منہ کھول کے سانپ اک نکالا
بن میں کالوں نے رات کاٹی
وہ جاکے افق میں مہر چمکا!
دشمن کا تھا سامنا کیا غور

کچھ گائیں کلیلیں کر رہی تھیں
گوبر کے انہیں کو چھوٹ پھینکو
گوبر پھینکا تو دب گیا من
من ڈھونڈتے آپ کھو گئے وہ
دو مرغ تھے بیٹھے ایک شجر کا
کھلتا نہیں کچھ طلسم یان کا
وہ پیڑ جو حوض پر لگا ہے
مارے سے نہیں کسی کے مرتا
پھیکے گا خود اُس کو دیکھ کر سانپ
بن جائیگا آدمی سے طوطا
نسب عشق ہو ایک ہو ہری ڈال
انسان کا رنگ روپ پائے
جس شخص کے پاس وہ ثمر ہو
بنجاتا ہے موم اگر ہو آہن
ٹوپی جو بنائی چھیل کر چھال
دم بھر میں بھرے جراحتوں کو
تھا ہیم غیب مرغ گویا
وہ حوض میں تھا مثال ماہی
تھے پھل گوند چھال لکڑی
پرّاں ہوا صورت عصا فیر
من لانکو چیر کر چھپایا
سرچشمۂ آفتاب دیکھا
دکھلائی پڑی دونوں نے شامت
فوارہ بہ گم خزانہ باقی
نامردی سے اپنی نعرہ زن ہو

بن میں پھری وہ پر یہی تھیں
نکلا جو پھر آکے شب کو اژدہا
بادل میں چھپا وہ ماہ روشن
من پھیکے جو اُسے مہر مارا
مادہ لگی پوچھنے کی اور نر
مادہ سے یہ سن کے بول اُٹھا نر
طوبیٰ سے خواص میں ہوا ہے
لیکن جو یہ بندۂ خدا جانے
منہ چاہ در آب میں یہ ڈالے
اندیشہ نہ اپنے دل میں لائے
دو رنگ کے پھول ہیں سبز و لال
پھر توڑے اُسکی سبز پھل کو
ہتھیار نہ اس پہ کارگر ہو
دو ہاتھوں میں نے جو گاندھے سے
دکھلائی ندی نظر کی مثال
منہ میں رہے گوند اُسکا جب تک
سنتے ہی اُدھر چلا وہ جویا
طوطا ان کے شجر پہ آکر
اُس پیڑ سے پھیکے راہ پکڑی
اڑتا ہوا وان سے دور جا کر
تپنے سے وہ زخم سب بھرا یا
غوطہ جو لگا کر سر اٹھایا
مردے کی رہی نہ کچھ علامت
سختی سے دکھاتا تھا مقدر
بیچارے چلے کسی طرف کو

دو دھا اُن کا دو ہا پیا کہا لو
گلشن سے وہ آن دھوئے انکھ
بے روشنی اندھے ہو گئے وہ
شب کاٹ کے صبحدم سدھارا
میں تجربہ کر چکی جہان کا
ہے طرفہ طلسم اس جگہ پر
اک سانپ ہو وان پہ چوٹ کرتا
تا حوض نہ دم قدم چلا جائے
اور پھر لگا کے یہ غوطا
اڑ کر بہ اُسی شجر پہ جائے
پہلے تو یہ لال پھل کو کھائے
پھل پھر اسے دیر ہیگا کل کو
لکڑی میں اثر یہ ہے کہ دشمن
اڑتا پھرے جیسے مرغ پر سے
پتے کی صفت بیان کیا ہو
لگتی نہیں پھوک بیان میں نمک
کالے نے جہان سر کی سیاہی
پھل کھا کے بشر کا روپ پایا
ہاتھ آ جو گئی عصا کی تاثیر
ٹھیرا دم لینے اک جگہ پر
اک حوض پر آ گیا تو دیکھا
وہ حوض وہ آب کچھ نہ پایا
حوض اسکے ہوئی یہ دیکھتے ہی
چھپاتی یہ دھرا کچھ نسے بھنر
آگے سے جوان ایک خوش قد

آتا تھا دونوں کی جیسے آمد
بارے جو پڑے گھر اُسکی بنفید
غوطہ کسی حوض میں لگایا
مردی نے جو پھر وجود پایا
قبضے مین پھر آئی کھوئی شمشیر
تھا مردم دیدۂ طلسمات
پستان سے فدا اُسکا نخل تابوت
گٹھا لئے سر پہ لکڑیوں کا
وہ روسیہ اس کو سمجھی شوہر
حیرت زدہ شاہزادہ ناچار
ہلکا ہوا پھینک پھانک بوجھل
غوطہ جو لگا کے سر اُبھارا
بولا وہ کہ شکر ہے خدایا
یارب یہی اب ہیں چاہتا ہوں
اُس پانی سے منہ و ہاتھ دھوؤں
کھائی کو شجر کا گوند تھا پاس
اک دیو سیاہ تھا لئے گرز
اس دیو کے آگے سے بڑھا وہ
فوارے کی طرح رو رہی تھی
دیکھا جو پری نے آدمی زاد
کہا جائیگا دیو بھاگ یاں سے
بولی وہ پری کہ جا کہاں ان
تم اپنی کہو ہماری کیا ہے
بولی وہ حسین کہ میں پری ہوں
روح افزا جسکی ہو بہن دختر

باہم زن و مرد نے کیا میل
امید سے رہ گئے وہ نومید
اُبھری تو نہ حوض تھا نہ وہ روپ
پشانون کو بے نمود پایا
گو شمع بنا چراغ دامن
خال رخ و رنگ رو مساوات
زنبور سیاہ خال اس کے
چلتی تھی سموم کا سا جھونکا
گٹھا وہ دبا کہ پیچ لاجا
راہی ہوا سر پہ رکھ کے اینار
واں سے بڑھا تو ایک چشمہ
پایا وہی رنگ و روپ سارا
خورشید مرا گہن سے چھوٹا
یہ چشمہ پھر آنکھ سے نہ دیکھوں
یہ کہہ کے کاندی رکھ کے لاٹھی
کیا دخل کہ بھوک لگنی یا پیاس
ٹوپی وہ سر پہ چھال کی تھی
سایہ سا پہاڑ پر چڑھا وہ
پر جوش و خروش اُسے جو پایا
آہستہ کہا کہ خانہ برباد
بولا وہ بشر کو دیو کیسا
سر پر ہیں ترے قضا کے سامان
کیوں روتی ہو کسکی یاد مین ہو
اس دیو کے بس مین آگئی ہون
سردار کروڑ دیو کا ہے

دریا سے ملا وہ قطرۂ زن سیل
جب من کے نہانے کا دن آیا
پانی کے عوض تھی دشت کی دھوپ
ترکش پہ نگاہ تھی تو تھا تیر
روشن نہ ہوا وہ رنگ و روغن
اک دیو نی مردہ دل سے مبہوت
برگد کی جٹائین بال اُسکے
شہزادہ کہ تھا کریہ منظر
کچھ نہیں دیر جلد آجا
جب بڑھکے ہوا نظر سے اوجھل
پر آب تھا چشم منتظر سا
کھویا ہوا مال ہاتھ آیا
رنگ آئینہ بدن سے چھوٹا
نادان ہو جو آبرو کو کھوئے
گھوڑون پہ ہوا کے باندھی کاٹھی
دیکھا ناگاہ کوہ البرز
عریانی میں پردہ حال کی تھی
گریاں لب حوض اک سی تھی
روپوش نے تاج سر اُٹھایا
رشتہ ترا کھو گیا کہاں سے
ہم کو تو ملا نہ کوئی ایسا
بولا وہ کہ بیقراری کیا ہے
کیا رنج ہے کس فساد میں ہو
فردوس کا بادشہ مظفر!
سلطان ارم مرا چچا ہے

اک دن میں چلی چچا کے گھر کو
اب تک تو خدا نے ہے بچایا
پوچھا اُس نے کہ آدمی زاد
یا بحر فسون میں ہوا غرق
بولی وہ کہ چھوٹتے اگر ہم
وہ دیو کہان کہان تو انسان
بولا وہ کہ جی بجھا نہ جانی
دب جاتی ہے مشت خاک سے آگ
تجھ پاس تو اک عصا ہے جانی
موسیٰ کا عصا سے اژدہا ہے
ٹوپی جو اُتار لی تھی سر سے
ظاہر ہوا ٹوپی کو اٹھا کر
تسکین جو ہوئی پری کو جی کو
اُچکا تو ملا ہوا پہ جا کر
بدلی میں چھپی وہ ماہ روشن
حیرت زدہ آدمی پہ لپکا
دیکھا جو نہ دیو نے گذارا
تاثیر سے پہل کے بن گیا پھول
غل کر کے زمین پر گرا دیو
لاٹھی سے ہوا وہ برق خرمن
سرمہ کیا کوہ پیکرون کا
چومے قدم بشر پری نے
فردوس میں جا کے صورت حور
انسان کی وہ مروی جتائی
پوچھا وہ کہ ہے کہا یہان ہے

ماندی تھی بکاولی خبر کو
نام اس سے بکاولی کا سن کر
تو کیون رو یا کہا کہ فریاد
وان پھانس چبھی ہوا سکو غم کی
رکھتے ترے زخم دل پہ مرہم
دیوون سے بھی لڑ سکا ہے کوئی
دیو آگ تو آدمی سے پانی
بولی وہ کہ سن کہ آدمی زاد
لاٹھی سے جدا نہ ہوگا پانی
یہ کہ کے جتائے جوہر اپنے
پھر رکھ کے نہان ہوا نظر سے
یہ شعبدہ دیکھ کر پری نے
وہ آدمی سے اڑا پری کو
شہزادے نے اپنے سر کی ٹوپی
بجلی سا عیان ہو یہ پرفن
شہزادہ کہ لٹھ سے برق دم تھا
پتھر اک اٹھا کے پھینک مارا
لٹھ اسکا پڑا تو وہ ہوا چور
موجود ہوئے ہزار ہا دیو
موسیٰ کا عصا تھا لٹھ جو انکا
جی چھوٹ گیا دلاور [illegible] نکا
شہزادے نے تاج سر پہ رکھا
مان باپ سے آملی وہ مہجور
سن سن کے اڑے حواس انکے
پوچھا کہ کہان کہا یہان ہے

رستے سے یہ دیو پھانس لایا
رونے جو لگا وہ سر کو دھنکر
وان خرمن عیش پر پڑی برق
یان سانس نہیں ہوا یکدم کی
بولا وہ کہ چل کہا کہ نادان
سائے کو پکڑ سکا ہے کوئی
ہرچند کہ انس و جان میں ہی لاگ
وہ دیو ہے نیزی کیا ہے نیباد
بولا وہ کہ یہ جو لٹھ مرا ہے
سامان دکھائے یکسر اپنے
لٹھ کاندھے پہ رکھ ہوا یہ جا کر
اُڑ چلنے کے پائے کچھ قرینے
وہ دیو پری کو اُڑتے پا کر
جلدی سے پری کے سر پہ رکھ دی
وہ دیو کہ تھا پری پہ لپکا
بادل سا ہوا کا ہمقدم تھا
وہ سنگ گراں حریہ غول
جسطرح عصا سے جام بلور
بادل کی طرح جو اُمڈے دشمن
ایک ہی لاٹھی سے سب کو ہانکا
ٹوپی کو اتار کر پری سے
لٹھ کاندھے پہ دل سفر پہ رکھا
دیو دنکی وہ سرکشی سنائی
[illegible]ئے نہ یقین قیا[illegible] اُن کے
[illegible] سنتے ہی اُس نے تاج اٹھایا

حیرانوں کو شعبدہ دکھایا
تن خاکی تھا جان آتشیں تھی
کی آؤ بھگت سمجھ کے جوگی
قدموں پہ گری کہا ادب سے
ہے جملہ جہان کا مالک اللہ
بولی وہ کہ حق ہے جو ہے فرمان
شرتی مثل میوہ ہائے تر کھاؤ
سیاح کو کیا قیام سے کار
اب دیر بلا ہے تو بہتر
آرام کرو کرو کرو آؤ
آرام کی جا قرار پائی
تھا اپنے ہی وہ سوچ میں وہ سنسان

بال اسکے وبال سے بڑے تھے
عریانی قبائے پوستین تھی
حسن آرا اس پری کی مادر
حرمت رہی آپ کے سبب سے
قادر وہی کبریا وہی ہے
تم وقت کے اپنے ہو سلیمان
بولا وہ کہ اشتہا کسے ہے
شبنم نہیں جاگزین گلزار
روح افزا بول اٹھی اجی واہ
ہم رام ہوئے نہ رم کرو آؤ
اصحاب نیاز کھانے لائے
دھن راگ کی تھی نہ رنگ کا دھیان
بے فضل وہ بہاگ خوش نہ آیا

ناخن بھی ہلال سے بڑے تھے
صورت سے فقیر تھا بردگی
باپ اس کا بادشہ مظفر
بولا وہ خدا خدا کرو واہ
آخر وہی ابتدا وہی ہے
کھو کماؤ لطف فرماؤ
کھانے کا مزا رہا کسے ہے
درویش رواں رہے تو بہتر
ہم جانے نہ دیں گے تمکو واللہ
مجمع سے الگ مکان میں لائی
ارباب نشاط گانے آئے
بیوقت وہ راگ خوش نہ آیا

## آنا بکاولی کا روح افزا کی خبر کو جمیلہ کے ساتھ اور تاج الملوک سے ملکر جانا سات دن بعد

بچھڑوں کا جو ملنے کا بیان ہے
مژدہ شاد ارم تک آیا
وہ ساکن خانہ سلاسل
خواہاں یہ ہوئی کہیں بھی چلنی
تخت اُنکے سوار ہو کے آئے
دخت اس کی بکاولی عقیلہ
کہ سن کے مبارک و سلامت

یوں خامہ خوشی سے تر زبان ہے
جانا تھا یگانگی میں لازم
یعنی وہ بکاولی بے دل
سنکے قیدی کی زار نالی
اُڑتے وہ ہوا کے جھونکے آئے
روح افزا سے ہوئیں بغلگیر
بیٹھ اٹھ کے ہوئی جمیلہ رخصت

روح افزا کو جو کھو کے پایا
چلنے کو ہوئی جمیلہ عازم
کہتی تھی کہ پیچ سے نکلتی
زنجیر کے پیچ سے نکالی
بانوئے شہ ارم بامید
صورت پوچھی کہا کہ تقدیر
روح افزا نے کہا چچی جان

تم جاؤ رہیں بکاولی جان
یہ کہہ کے وہ وحشت مجسم
بہتر کوئی جا نہیں چمن سے
چل پھر کے ہنسی ہنسی میں پوچھے
میں نے یہ سنا ہو کہ تو ہے دلگیر
سمجھی وہ ہنسی کہا سڑن ہے
پیارا وہ ہو دیگا تمہارا
بولی وہ کہ آشنا تمہارا
بدراہ نہ کر سکیگا کوئی
وہ جوگی وہ دھونی اور وہ سن
کوشش کا اثر کشش کی تاثیر
دونو کا بدل تھا وصل منظور
دریا رو یا سنا کے افتاد واد
رو رو کے بکاولی دل افگار
ویدے مرے نقش پا تھے تیرے
نم چشم بھری تھی مثل مژگان
زنجیر کا گھر مکان تھا میرا
سختی سہی یا کڑی اٹھائی
نکلا ہی کدھر سے آج خورشید
یہ کہہ کے ملے بہم وہ ایسے
صحبت کا مزا ہوا دو بالا
جب بیٹھے ہوس نکال کے وہ
محرم کا ہے کام پردہ داری
کیا جانیں ابھی بدا ہے کیا کیا
ایک ہفتہ رہے انیس و ہمدم

خاطر سے کہا کہ خیر بیسکن
آہو سی ارم کو گر گئی رم
گلگشت کریں چلو کہا خیر
کھونا ملنا بہن یہ کیا تھا
واللہ کہ چھان کر خدائی
نادان ہو کیا کہوں بہن ہو
پیارا جو تھا تو کھو گئیں کیوں
پیارا نہیں پیار کا ہے پیارا
جو چاہو کہو جواب کیا دوں
دکھلایا تو تھی اس کی جوگن
روح افزا ان کے بیچ میں وان
مانند حجاب ہو گئے دور
خاطر کی کدورتیں عیاں کیں
بولی کہ خدا کو علم ہے یار
مشکل مجھے اپنا تھامنا تھا
ہم سایہ تھی سب کشیدہ دامان
جو کہہ کے سڑن پکارتا تھا
افتاد تھی جو پڑی اٹھائی
کیوں منہ پہ شفق خوشی سے پھولی
صفحے خط توامان کے جیسے
دربان سی تھی در پہ روح افزا
وارد ہوئی دیکھ بھال کر وہ
وہ بولی مجھے تو کچھ نہ آیا
اس عمر میں سیکھنا ہے کیا کیا
سمجھے ہفتہ کی میہمانی

بے جاؤ نگی خود میں ساتویں دن
روح افزا نے کہا بہن سے
کیا جانی کہ ہو گی سبزہ میں سیر
روح افزا نے کہا کہ ہمشیر
تیرے پیارے کو ڈھونڈ لائی
ہمکو یہ ہنسی نہیں گوارا
بدراہ بھی آپ ہو گئیں کیوں
گر اس کی تلاش میں ہیں کھوئی
قائل نہیں ہوتی ہو دکھا دوں
دیکھا تو دکھا رہی ہے تقدیر
قالب تھی میان جان وجانان
وہ غرفہ ہجر ظلم و بیداد
چشموں کی وہ صورتیں بیاں کیں
پھرنا تھا تو چشم و دل ہیں میرے
ہر وقت قضا کا سامنا تھا
گھر میں رہنا گران تھا میرا
پتھر سا کھینچ مارتا تھا!
طالع سے کسے تھی ایسی امید
کیا شام وصال راہ سے بھولی
اک جان دو تن تھے سرو بالا!
تھا پیش نظر حیا کا پردہ
بول اٹھی بکاولی کہ واری
تمنے مگر اب تو ہے سکھایا
بارے وہ مہر دو ہفتہ باہم
ہر ہفت عروس شادمانی

وعدے پہ جمیلہ ساتوین دن
ہوش اسکے رواں ہوئے کہے تو
دامن کو پکڑ کے روح افزا
کچھ خیر ہے تمکو ہوش میں آؤ
کارِ مشاطہ خود نہ کیجے
بیدل نہ ہو قول لو قسم لو
سوچا تو نہ تھا صلاح او لجھنا

آئی تو تھا حیلہ غیر ممکن
چاہا کہ وہ تاج رکھے سر پہ
بولی کہ کدھر کیا ارادہ
نافہمی سے خواہ ہو چکے ہو
انگارے کو ہاتھ سے نہ لیجے
گھبراؤ نہ پاکے نامرادی
دانائی تھی بات کا سمجھنا

ساتھ اسکے رواں ہوئی وہ گلرو
رہیے روپوش ساتھ چل کر
الفت کے بہت نہ خوش میں آؤ
اب تو سیکھو کہ کھو چکے ہو
جلدی تمہیں کیا ضرور دم لو
غم کھاؤ جو چاہتے ہو شادی
. . . . . . . . .

## پیغام لے جانا حسن آرا کا بکاولی کی شادی کیواسطے

بیدل نے جگہ جو جی میں پائی
ماں سے بولی کہ حسن آرا
حسن آرا نے کہا کہ بہتر
ہے عشق بکاولی کا روگی
راز ان کا کیا جو آشکارا
کھچوائی اس آدمی کی تمثال
چھپڑا کہ ہو مہ سے عقد پروین
پھر وہاں تک نہ چھلکے جس میں
سودا ہے مری بکاولی کو
یک جا نہیں رکھتے آگ پانی
کاوش تری بے ثبات ہی یہ
یہ جان لے گیا کریگا قاضی
تجویز کی آپ کے مین قربان
شعلہ کو کیا ہے کسنے خاموش

یوں خامے نے کی زبان کشائی
واجب ہے ادائے حق مہمان
جو اپنے سے ہو نہیں مین باہر
میں اسکے سبب بچی ہون جی سے
راضی ہوئی سُنکے حسن آرا
وہ صورت حال رم میں لائے
پیوند نہال گل ہو نسرین
بولی وہ جمیلہ کیا بتاؤن
ہے چاہ بشر کی باولی کو
حسن آرا نے کہا جمیلہ
سو بات کی ایک بات ہے یہ
بولی وہ جمیلہ ہوش مین آؤ
لیجائے مری پری کو انسان
اسباب نہ جمع کہ ضرر کے

وہ شکر گذار روح افزا
احسان کا عوض نہین جز احسان
بولی وہ کہ یہ فقیر جوگی!
یہ میرے سبب ملے پری سے
بلواکے مصور اک کہن سال
خلوت میں جمیلہ پاس آئی
واجب نہیں اب تامل اس میں
تو اپنی ہے تجھ سے کیا چھپاؤں
مشہور ضد انس جانی!
مجھ کو یہ نہیں پسند جمیلہ
دو دل جو ہوں چاہیے یہ راضی
جا کر کسی اور کو یہ سمجھاؤ
حسن آرا نے کہا کہ خاموش
رکھ پنبہ نہ داغ پر شرر کے

بولی وہ جمیلہ پھر کروں کیا
انسان ہے تو کیا مضائقہ ہے
یہ قطرۂ بحر کبریائی
افسوس جو آدمی نہ سمجھے

وہ بولی نہ سمجھی کہتی ہوں کیا
انسان ہی تھے حضرت سلیمان
دریا ہے جو ہوئی آشنائی
دم دھاگے ہیں رشتہ نفس کے

جب دل ہی پری کا آگیا ہے
انسان ہی تھے مسیح دوران
کیا شکوہ اگر پری نہ سمجھے
پھندے میں پھنسا ہے پیش دیکھے

## بیاہ ہونا بکاولی کا تاج الملوک کے ساتھ اور رہنا ارم میں

شادی کیلئے ہے کلک شنجرف
دکھلائی جمیلہ کو وہ قصور
بولی کہو کیوں کہا کہ مانا
ہم نے تو سمجھ کے کچھ کیا ہے
جب سونے کو وہ محل میں آیا
لے آئے اڑا کے اس پری کو
دیکھا تو نہ فرق تھا سرِ مو
قسمت کا لکھا تھا آگے آیا
پیارے سے نہ ہو خلاف وعدہ
کرتی تھی اسی کے روح نظارہ
جانا کہ بہارِ فضل سے ہے
شرمائی لجائی مسکرائی
سج دھج یہ بھی ادھر بنائی
ساعت ٹھہرائی دن دکھایا
راتوں کو جو گنتے تھے ستارے
یاں سبز ہوا نہال امید

انگشت قبول دیدۂ حرف
پہچان کے تمثال وخط سے انداز
پہ کھوئے ہوئے کا کیا ٹھکانا
ٹھہری یہ غرض کہ آج کی رات
افسانہ عشق اسے سنایا
تصویر بشر تو کھائی اس کو
جا پہنچے خط و خال و چشم و ابرو
کہنے لگی دل میں یا الٰہی
کیا سوجھتی ہو نصیب اعدا
روح افزا کا آگیا دھیان
یہ نقل مطابق اصل سے ہے
حسن آرا نے کہا مبارک
بن ٹھن کے بنا ادھر سے آئی
شادی کی خبر سے خوش خوش آئی
دن گنتے لگے خوشی سے سارے
وہ وہاں پہ گلاب سے نہائی

حسن آرا جو تھی نیک تدبیر
وہ چپ جو رہی تو یہ سخن ساز
وہ بولی کہ اس سے تجھ کو کیا ہے
فیروز شاہ آگے چھیڑے بات
یاد اس نے کیا بکاولی کو!
شادی کی خبر سنائی اس کو
نقشے سے وہی نگار پایا
شر ہو نہ کہیں یہ خیر خواہی
دیکھا تو وہ بھیدی حسن آرا
تسکین ہوئی آئی جان میں جان
اقرار میں تھی جو بے حجابی
ایجاب اس نے کیا مبارک
سیارہ شناس کو بلایا!
مشتاق کو خوش خبر سنائی
واں مہندی چھوٹے پائے خورشید
یاں تازگی آبرو نے پانی

وان غازے سے رخ شفق میں خورشید
یان جھمکیا منہ پہ رنگ امید
افشان ہوئی وان ستارہ افشان
یان چاند سے روشنی دوچندان
وان مانگ سے مانگ کہکشان مانند
یان شملہ سر سے ہالے میں چاند
وان زلف نے کھائے پیچ پر پیچ
طرفہ کلغی پہ یان تھا سرپیچ
آنچل ہوئے وان نقاب عارض
سہرا ہوا یان حجاب عارض
زیبا ہوا وان بدن پہ گہنا
یان خامہ وفا کا اپنے پہنا
محرم کی کسی کٹے ادھر بند
ہمت کا ادھر بندھا کمربند
وان گل سے بہار بوستان تھی
آرائش تخت گل یہان تھی
الماس کے وان تھے چہار فانوس
یان جلوہ فروش تخت طاؤس
مہتاب سے چاندنی کا وان فرش
یان چرخی سے چرخ میں سر عرش
وان جلوے حنائی انگلیون کے
یان روشنی کے تھے پٹخاسے
بادل سی وہ وان گرج رہی تھی
یان دھوم سے باجے بج رہی تھی
وان پریون میں ذکر آدمی زاد
نوشہ کے جلو میں یان پریزاد
گلگون تھا کسی کا بادرفتار
گلرنگ کسی کا تھا ہوا دار
ہاتھی تھے تو سیتونکے دھت تھے
گھوڑی تھی تو چابکی لت تھے
وہ ماہ کہ تھا سوار شدیز
تھا پا بر کاب شوق مہمیز
وزنک جو برات ادھر سے آئی
کی سب نے ادھر سے پیشوائی
فیروز و مظفر ایسے دو شاہ
پرنور تھے جیسے مہر اور ماہ
باران گلاب و بارش گل
جو کر بڑھے آگے با تجمل
سلطان فروز رشک جم تھا
نوشہ مسند پہ جم کے بیٹھا
ہر جا سے نیے کا شور و غل تھا
سنبل کا چنور تو چتر گل تھا
گل سے خوانون میں زردہ لایا
ان غنچہ دہانون کو کھلایا
خورشید سا آفتابہ لائے
منہ ہاتھ ہر ایک کے دھلائے
قلیان پئے مشکبو دھوان ہا
بیڑے چکنے پان کے مزیدار
جب عقد کی انکے ساعت آئی
دو رشتون میں اک گرہ لگائی
یک جا کیے وہ عروس و داماد
وہ جان پری یہ آدمی زاد
حیرت نے آئینہ دکھایا
شربت دیدار نے پلایا
زلفیں ہوئیں چہرہ کی بلا چین
ٹونا وہ نگاہیں سحر آگین
جو چہرہ آتشین پہ پل تھا
اسپند نگاہ بے بدل تھا
جوڑی جو ملی بنے بنی کی
سنگت ہوئی راگ راگنی کی
جو گائین تھیں شہانے گائین
لیتے ہوئے نیک راگ لائیں
حق پا کے جو رکھتی تھی ندامت
بول اٹھیں مبارک و سلامت
پیارا تھا بنے بنی کا جوڑا
خلوت میں دولہا دلہن کو چھوڑا
سیان کہ ہزار با بھری تھیں
ارمان سے سب وہان سے نکلیں
بے پردگی ہوئی تھی جو انہیں
دروازون سے بند کرلیں آنکھیں
طومار حجاب کو کیا طے
ساغر پہ جھکا وہ شیشہ مے
مستانہ ملا دولہن سے نوشاہ
صحبت ہوئی دخت رز سے دلخواہ
مست آنکھیں تھیں رشک جام سرشار

لبریز ہوئی شراب دیدار
جب اوڑھی عروس مہ نے چادر
خورشید نکلتے ہی سدھارے
منہ گھر کو براتیوں نے موڑا
یاں رخ پہ عرق گلاب پایا
وہ راگ کا دیکھنے نگار رنگ

گردن بھی صراحی مے ناب
نکلا پردے سے شاہ خاور
لینے دو لہا دلہن سحر گاہ
محظوظ دولہا دولہن کو چھوڑا
واں جوڑا جیست و تنگ بدلا
یاں پر وہیں چھیڑی خوش آہنگ

ہاتف آئی وہ بہ مستی خواب
ثابت جو شب کو تھے ستارے
نکلے آرام گاہ سے دلخواہ
وہ حوض گلاب میں نہایا
یاں جوڑے کے منہ کا رنگ لا
. . . . . . . . .

## رخصت ہونا تاج الملوک کا بکاولی کو لیکر اور آنا گلشن نگارین میں

غربت سے جواب سر وطن ہے
سوچا کہ میں بنا خانہ داماد
خلوت میں ہوا پری سے گویا
تو شعلہ کی سوئے آسمان ہے
چلئے گا تو ساتھ میں بلا عذر
ماں باپ کے پاس دختر آئی
وہ بہنوں سے تھے قوم کے پریزاد
غربت سے وطن کی چاہی رخصت
عوطے میں جو آ گئے وہ یکبار
اب کیجے ہنسی خوشی سے رخصت
لازم جو ہوا اس میں کدنہ کیجے
خورشید کے ذرے ذکیا پست
یہ کہ کے منگائے دو ہوا دار

کلک دو زبان پہ حرف زن ہے
غربت میں وطن کی دھن سمائی
دنیا میں ہیں سب وطن کے جویا
عزم سفر وطن سمجھ کر!
رہیئے گا تو بندگی میں کیا عذر
ہوتے ہی دو چار خویش و دختر
جو تھا ان میں یہ آدمی زاد
فرخندہ جمیلہ یا یو
بولی ماں باپ سے وہ دختر
دعوے ناہیں کچھ دے ہوئے پہ
سائل کا سوال رد نہ کیجے
انسان سے جھکے پری کی گردن
سو دیو بلائے باد رفتار

شادی ہو کر وہ خانہ آباد
اوس فیل کو یاد ہند آئی
پانی نہ خاک گو روان ہے
بولی وہ بکاولی کہ بہتر
ہاتھ اس کا پکڑ کے باہر آئی
دوسے ہوئے چار اس جگہ پر
چومی اس نے زمین خدمت
دونوں ہوئے سن کے سرنگوں
پردیسوں سے جو کی ہے نسبت
قائم رہیئے کیے ہوئے پر
بولی وہ کہ بخت تھا زبردست
کانٹے سے رکا ہوا کا دامن
ہو کر دیو دل کی زیب دوش

رخصت وہ ادھر ہوئے اُدھر ہوش
سونپا مختار کو جو مجبور
تھا آپ ہوئے خوش سے آباد
پہچان کے سب نے غل مچایا
محمودا لپکی دوڑی دلبر
دلبر یہ وہی بکاولی ہے
بولی کہ گھر ہوا منور
ان مختصروں نے جب دیا طول
خوش پوس ہے ایک جوڑے مو چار

اشگون سے شگون لیا نرالا
گھر پاس تھا اور وہ منزلوں دور
خیل و حشم اس کے منتظر تھے
آیا تاج الملوک آیا!
پوچھا خوش خوش کہا کہ دم لو
محمودا دیکھ کہا پری نے
محمودا نے کہا مبارک
بولی وبکاولی کہ معقول!
درجے درجے رہیں وہ ذی ہوش

آئینہ رُخ پہ پانی ڈالا!
آئے تو وہ باغ سمر بنیاد
مانند حواس منتشر تھے
داخل جو ہوئے محل کے اندر
دیکھو یہ کون ہیں قدم لو
سبحان اللہ کہ کے دلبر
خوسنودی آشنا مبارک
یہ سمجھو تو کچھ نہیں ہے تکرار
ہمخانہ و ہمدم و ہم آغوش

## طلب ہونا بکاولی کا راجہ اندر کی محفل میں اور آگاہ ہو کر ہمراہ جانا تاج الملوک کا

تقدیر سے ہیں جو شادی و رنج
ہے خرمن عیش پر شرر ریز
تقدیر سے جب مراد پائی
خلقت ہے وہاں کی زندہ دل ایک
مفتوں وہ قضا سے اسقدر ہے
روحانیوں کا نشیمن اس میں
راجہ کہ کمال پارسا ہے
نغمے سے ہے ذوق شوق اسکو
باری باری سے جو پری ہے
باری یہ پہونچ سکی نہ بیمار

اب یوں نئی خامہ ہے نوا سنج
یک چندہ وہ مہ لقی کا دشمنیں
راجا اندر کو جو یاد آئی
اندر ہے بادشاہ اس کا
اُس بستی کا نام امرنگر ہے
کہتے ہیں مورخان ہندی
مقبول جناب کبریا ہے
انسان کا سرود رقص کیا ہے
راجہ اندر کی مجرئی ہے
اک شب راجہ تھا محفل آرا

از بسکہ یہ چرخ فتنہ انگیز
گذری اک عمر خواہشوں میں
اندر اس امرنگر ہے شہر ایک
آسن ہے تخت گاہ اس کا
یزدانیوں کا ہے مسکن اسیں
آباد ہوا یہ ہے یہ بستی
خالق نے دیا ہے فوق اس کو
پریوں کا ناچ دیکھتا ہے
لیکن جو بکاولی دل افگار
یاد نہ بکاولی دل آرا

پوچھا پریون سے کچھ خبر ہے
آنکھ ایک نے ایک کو دکھائی
بولا وہ کہ چپ ہو کیا سبب ہے
رشتہ اک آدمی سے جوڑا
پریاں اُڑ ین اوپر اوپر آئیں
گل ٹکٹے تھے آفتاب و مہتاب
غافل جو موکلون نے پایا
اندر کے اکھاڑے کی پری تھین
اُٹھی اُسے جی کی طرح چھوڑا
لرزاں لرزاں مقابل آئی
بو آتی ہے آدمی کی بے جاؤ
منہ دامن اشک تر سے ڈھانپا
کافور سے تیل اُٹھی سراپا
جھونکا اُسے آگ میں جلن سے
جس جسم پہ تھی نفیس پوشاک
چھینٹے سے جلی ہوئی جلائی
ناچی گائی غریب ناچار
راجا کہ وہ صاحب کرم تھا
رخصت پاتے ہی وہ ہوائی
شب کی پوشاک پہنی ساری
یوں سیج پہ آکے سوئی بیتاب
یعنے تاج الملوک بیہوش
دیکھا تو وہ متصل نہیں ہے
جھنجلا کے پلنگ سے اُٹھا شیر
عورت تھی گمان بد سے کھٹکا

شہزادی بکاولی کدھر ہے
چتون کو ملا کے رہ گئی ایک
بولین وہ کہ کہئے بے ادب کیا
وہ سن کے خفا ہوا کہا جاؤ
مہتابی پہ مثل ابر چھائیں
ہم بستر آدمی پری تھی!
اوس نقش مراد کو جگایا
بولیں کہ طلب کیا ہے چلیئے
بدلا مانند رنگ جوڑا!
راجا نے نگاہ کی غضب سے
ناپاک ہے آگ اسے دکھلاؤ
پریوں نے کشاں کشاں نکالا
ٹھنڈی ہوئیں تھا جنہیں جلایا
جس رخ پہ تھی کاکل بمعنہ!
شعلے کے سوا نہ کچھ تھا خاشاک
شعلہ سے زیادہ پاک دامان
اغیار ادا سے کر لیے یار
بولا جا یون ہی آئیو روز
پر ان پر ان ہوا سے آئی
بیتاب آرام گاہ تک آئی
جس شکل سے آئے آنکھ میں خواب
اس شب کو بغل میں آکے جاگا
پہلو میں جگر کے دل نہیں ہی
دائیں دیکھا نظر نہ آئی
جانا کہین دل کسی سے اٹکا

منہ پھیر کے ایک مسکرائی
ہونٹون کو ہلا کے رہ گئی ایک
ناتا پریون سے اس نے توڑا
جسطرح سے بیٹھی ہوا اُٹھالائی
دیکھا تو وہ دونو کرتے تھے خواب
سائے کے بغل میں چاندنی تھی
جاگی تو سب اسکے جوڑ کی تھیں
جوڑا یہ خراب ہے بدلیئے
ساتھ اُنکے وہ تا بہ محفل آئی
پوچھا کہ یہ بیحیائی کب سے
شعلۂ سا پری کا جسم کانپا
صندل آتش کدے میں ڈالا
جو آتش گل نہ لے چمن سے
تھا چشم زدن میں دود اٹھکر
عیسٰی نفس ایک خضر آئی
آکر ہوئی انجمن میں رقصان
برخاست کا وقت صبحدم تھا
جل بجھ کے صدا سنا ئیو روز
لپٹوا ز کنار حوض اتاری
ہمخواب کی آنکھ بند پائی
وہ آ ہوئے مست خواب خرگوش
پر دوسری شب وہ جا کے جاگا
جاحت کی کمان سے جب ہوئی تیر
بائیں دیکھا کہیں نہ پائی
اژدر نظر آیا درکا سا

سمجھا وہ پلنگ چار پایہ
جاگا تو پری بغل میں پائی
گویا کہ وہ شب کا حال تھا خواب
معمول سے بزم میں ہوئی جمع
دل اُسکا بھرا تھا جام کیا پیے
بولا کہ ہیں درد سر کے کچھ طور
شیشہ ہوا چور سارا
بیداری شب کی گھات پائی
چھڑکا نمک اُن جراحتوں پر
پریوں نے ہوا سے تخت اتارا
پوشاک بدلنے کو گئی وہ
بن ٹھن کے جب آئی رشک ناہید
پہنچی اُس بزم میں سماں پر
ٹھیکے پہ پہونچ کے تخت ٹھہرا
پھینکا اُسے پھول سا اٹھا کر
فریاد نہ کرنے پایا مضطر
دل لینے اِدھر چلی دل آرا
محفل میں جو آئی شمع محفل
مجرے کو اٹھی وہ صورت ناز
رقص اِسکا اگرچہ خوش نما تھا
لین طبلہ نوازی کی بلائیں
اُس نے جو پکھاوج اسکو دیدی
سب آنکھ ملا کے کہتے تھے آ
انداز سے اس نے ٹیکے مالا
برہم ہوئی بزم اُٹھے سب اکبار

آنکھوں میں جو چھا گیا اندھیرا
وہ نقش وفا عمل میں پائی
جب مہر فلک گیا لب بام
مینا و کباب و مجمر و شمع
ٹھانی تھی کہ آج رہ کے بیدار
میں آج بنونگا شامل دور
ہوتی ہے جو نوک شیشہ نشتر
حکمت سردست ہاتھ آئی
بند آنکھیں کئے ہوئے شکیب
ثابت ہوا ٹوٹتا ستارا
اُس تخت کا یہ پکڑ کے پایہ
ذرہ ہوا ہمرکاب خورشید
لوگوں سے بھرا ہوا وہ دائرہ تھا
مرکز پہ وہ نجم تخت ٹھیرا
شہزادہ کہ زیر تخت زرکار
تاباں ہوئے آنکھ میں یہ اختر
ہمراہ چلا وہ چھوڑ پایہ
پروانوں کا ہاتھ سے گیا دل
وہ ناچنے کیا کھڑی ہوئی تھی
سنگت کا پکھاوجی تھکا تھا
آہستہ کہا کہو تو آؤں
کیفیت اتفاق نے دی
محفوظ کیا جو سب کو یکبار
کاندھے پہ پکھاوجی کے ڈالا
لے بار وہ شاہزادہ فی الفور

پل مارتے ہوگیا سویرا
دانستہ خبر ہو نہ بہنات
مہتابی پہ آیا مہ سر شام
جام اس نے بھرا کہا پیالے
دیکھوں جاتی کہاں ہے عیار
ہٹ اُسنے جو کی تو ہاتھ مارا
چڑکے لگے اُس کے اُنگلیوں پر
کف میں نمکین کباب بنکر
بیدار رہا تو آخر شب
سوتا اُسے جان کر اُٹھی وہ
پوشیدہ ہوا پلنگ سا یہ
جاتے ہی زمیں سے آسماں پر
پرصورت وصلدا وہ دائرہ تھا
آتشکدہ پریوں نے بنا کر
تھا پہلو گل میں صورت خار
راجا جس رخ تھا محفل آرا
آگے تھی پری تو پیچھے سایہ
جوگاتی تھیں بیٹھیں مثل آواز
خود راگنی آ کھڑی ہوئی تھی
شہزادی نے دیکھ دائیں بائیں
فرماؤ تو بندگی بجاؤں
تھا سم پہ یہ اس پری کا نقش
بخشا راجا نے تو لکھا ہار
برخاست کا تھا وہ رخصتی ہار
پنہاں ہوا زیر تخت اسی طور

باد سحری چلی چو سن سے
تاروں کی چھاؤں میں گھر آئی
وہ آئی تو غافل اس کو پایا
خنداں خنداں اٹھا وہ بشاش
ہنستے ہنستے کہا ہنسے کیوں
آتش پہ کباب دیکھتا تھا
بولا کہ وہ رات کو افق میں
عالم میں رہو گے رونق افروز
بولی وہ بشر ہو تم دلاور
شعلۂ ہوا انجمن میں رقصاں
بولا وہ کہ جب ہوا اجالا
وہ ہار تھا جو گلے پڑا تھا
کاندھے پہ تھا رات جس کو ڈالا
اوپر اوپر مزے اڑانا
میں جا کے چلی تو غم نہیں ہائے
تم نام نہ وان پہ چلنے کا لو
بولا وہ کہ یہ نہ ہو گا مجھ سے
لیکن اس نے کہا نہ مانا
وان جا کے وہ سوچی آسکو لاگ
گائی یہ غزل مقام پا کے

وہ شمع سدہاری انجمن سے
وہ حوض کے رخ چلی اتر کر
آغوش میں آ گلے لگایا!
اس غنچہ دہن کا مسکرانا
ہنستا ہیں بے سبب کوئی یوں
بولی وہ کہ ہم بتائیں تعبیر
خورشید تھا آتش شفق میں
بولا وہ ایک مقام ہو تھا
سرسبز ہو قوم آتشی پر
بولی وہ کہ شعلۂ بہن پری ہوں
بخشا مہ انجمن نے ہالا
گھبرائی پری کہ ہیں یہ کیا ہے
پہچانتی ہو وہ طبلے والا
یہ سن کے پری وہ سوختہ تن
ڈر ہے کہ نہ تجھ پہ آنچ آ جائے
افروختہ آتش حسد ہے:
میں دو قدم آگے ہونگا تجھ سے
عازم ہوا شب کو آتے ہی تخت
لے چلیے تو راجہ لائیگا راگ

خورشید سے پہلے اڑ کر آئی
یہ آنکھ بچا کے سوئے بستر
جب پردۂ صبح ہو گیا فاش
بیرنگ بکاولی نے جانا
بولا وہ کہ خواب دیکھتا تھا
دلسوزی کریگا کوئی دلگیر
بولی وہ کہ مہر سے شب و روز
گلزار خلیل رہ رو تھا!
بولا وہ کہ دیکھی اک شبستان
جھانجھ بجاؤ ناچتی ہوں
ہالا مہ انجمن کا کیا تھا
بولا وہ کہ ہار تو لکھا ہے
کیوں جی یہ اکیلے شب کو جانا
بولی کہ سن لے صلاح دشمن
میرے چلنے پہ خاک ڈالو
چلنا یہ سپند چشم بد ہے
سمجھاتی رہی اسے وہ دانا
یا قسمت یا نصیب یا بخت
سنگت کا لکھا دجی بنا کے

## غزل

ساقی قدح شراب دیدے
باقی ساقی شراب دیدے
لیلی میں نے تجھے بنایا
جو چاہیے وہ بے حساب دیدے

مہتاب میں آفتاب دیدے
اس بت سے نہیں سوال کچھ اور
مجھ کو مجنون خطاب دیدے

ساقی باقی جو کچھ ہو لیلے
اپنے منہ سے جواب دیدے
اس گل سے نسیم زر نہیں مانگ

## نصف ہو جانا بکاولی کا راجا اندر کی بددعا سے اور بت خانہ میں ملنا تاج الملوک سے اور کھدتا بتخانہ کا رانی چترادت کے حکم سے

ہے اب جو بیان سنگ ساری
گاتی اور ناچتی بڑی تھی
خاطر کی مراد بس یہی ہے
دکھلا کے اسی پکھاوجی کو
بولا کہ اس آدمی کی یہ تاب
جا تیری سزا یہ ہے کہ تو تے
اس سختی سے کچھ دنوں رہے تو
جامے میں تو آدمی کے آئے
اس وقت جہاں تو چاہے جائے
تڑپا شہزادہ سر کو دھن کے
ناری تھی پری ہوا ابتائی
افتادہ کو سوچنے لگا وہ!
چشمہ اک آفتاب سا تھا
دیکھا وہ تو لشہر تو کھلکھلائیں
وہ چونک کے بولا اٹھا کہ اللہ
ہے تب سی وہ ایک مٹھ کی اللہ
یہ کہ کے اتاری سب نے پوشاک
تن چادر آب سے چھپایا
سوچا وہ کہ انکو دیکھئے جل
باہر بصد آب و تاب آئیں
جھمک جھمک کے بدن چراتی آئیں
چمکائی کسی نے تیغ ابرو
بولا وہ چہ خوش تم ایسی کیا ہو

یون پائے قلم ہوا ہے بھاری
راجہ نے کہا کہ خوش ہوں تجھ سے
مانگا جو بشر پری نے بیباک
مانگا کہ یہ دو بکاولی کو
بے چشمۂ آفتاب سے آب
کی ہے حرکت خلاف آئین
بعد اس کے خاک میں ملے تو
بارہ برس اس طرح گذر کر
تو اس کو ملے وہ تجھ کو پائے
خواہش جو بلائے جان ہوئی وہ
خاکی تھا بشر زمین جھکائی
سبزی کی دھوپ چھاؤں مخمل
عاشق کی طرح بھرا ہوا تھا
بولیں یہ وہی پکھاوجی ہے
بتلاؤ کہاں ہے وہ کہا آہ
پوچھا کہ کہاں کہا بہت دور
باہر ہوئیں جامے سے وہ بیباک
بے ننگ یہ سب نہا رہی تھیں
خس پوش کئے وہ جامۂ گل
پوشاک دھری ہوئی نہ پائی
رک رک کے قدم بڑھاتی آئین
جھنجلا کے کہا کہ لاؤ مانو
ڈرنے کا نہیں میں کیا بلا ہوں

خوش لہجہ بہت بکاولی تھی
جو چاہے آج مانگ مجھ سے
راجہ اندر ہوا غضب ناک
ارمان یہی ہوش یہی ہے
کھویا تجھے تیری آرزو نے
پتھر کا ہو نصف جسم پائین
قالب تیرا انقلاب پائے
پھر تجھ کو ملے پری کا پیکر
روئی وہ بکاولی یہ سن کر
ہلکا ہوا یہ گراں ہوئی وہ
سایہ سا زمین پہ جب گرا وہ
صحرا میں بھی تھی سو گیا مثل
پریان کچھ ادھر نہانی آئین
عاشق جس پر بکاولی ہے
اندر کے غضب سے ہوکے پتھر
بولا وہ پھر کہا کہ مجبور
پیعہ بکا جو کچھ خیال آیا!
موجیں باہم اڑا رہی تھیں
جب خوب وہ شعلہ رو نہائیں
جانا کہ حریف نے اڑائی
دکھلائی کسی نے چشم جادو
ہم کو بھی بکاولی نہ جانو
پوشاک جو لینی ہو تو پہچانو

بولیں وہ چلو کہا قسم کھاؤ
شہزادے نے کرکے پاس انکا
ہو جیسے ہوا حباب میں بند
واقف اُس نکتہ سے یقین وہ
دیوانے کو یادلی بتائی
عقدہ کھلا شام ہو کر اُسکا
جسم آدھا پری تھا آدھا پتھر
چومے جو قدم اُس آدمی نے
کس سختی سے تم بغیر گذری
گر پڑے زمین پہ مثل شبنم
سختی اب دور ہو خدایا
یہ در مانند چشم بے خواب
کل پھر سر شام خیر سے آؤ
کانوں میں سے موتی کچھ نکالے
قدموں پہ یہ گرا بکاولی کے
نکلا جیسے ہی مٹھ کے باہر
آگے کو بڑھا چلا سوئے شہر
گھوڑا جوڑا نفر حویلی
لے گوہر شبنم آیا پر سوز
سیاروں سے کرکے استخارہ
رگڑا انہیں ایڑیوں پہ ماتھا
تقدیر نے راستہ بھلایا
غرفے میں سے کرتی تھی نظارا
یاں پردہ در نظر سے گذر
باپ اُسکا اُسکے ساتھ بیاہے

عریانی کے ننگ سے لجائیں
خلعت سادیا لباس اُنکا
شانے پہ چڑھا کے مثل گیسو
سنگلدیپ اُس کو لے گئیں وہ
بت خانہ میں تھا طلسم کا ڈر
شق مثل قمر ہوا اور اس کا
تھی ناف سے لیکے تا بہ پاسنگ
سینے سے لگا لیا پری نے
ہم پر تو پڑے وہاں یہ پتھر
پھر پریوں کی قہر سے اڑے ہم
تا آخر شب فسانے کہہ کر
ہوتا ہے سحر کو بند بے تاب
مصرف کو جو ضرورت زر
دامن پہ مثال اشک ڈالے
پاؤں اسکے چھوئے نوچ سی پائے
پتھرا گئی چشم حلقۂ در
بازار میں جا کے بیچے گوہر
جو جو شے چاہیے تھی لیلی
گیند گردون کا جو بے در
اُس برج کے رخ وہ مہ ہارا
شب سایۂ زلف میں بسر کی
راجا کے محل کے جانب آیا
دیکھا تو جوان تھا یہ تصویر
واں تیر نظر جگر سے گذرا
راجا سے خوش خبر بیان کی

ستار کی قسمیں سب نے کھائیں
پرمان ہوئیں رخت سج کے خرسند
اُس گل کو اُڑایا صورت بو
وہ جائے بکاولی بتائی
ششدر رہا چار سمت پھر کر
دیکھا تو وہ بت تھی مٹھ کے اندر
تھا گو وہ سرین کے آگے پاسنگ
زمی سے کہا بخیر گذری
تم کیونکہ بچے کہا مقدر
جذبہ تم پاس کھینچ لایا
بولی وہ پری کہ اسے دلاؤ
پیش از دم صبح تم نکل جاؤ
زیور مرا مجھ سے لو یہ کہہ کر
صدقے وہ بشر ہوا پری کے
آنسو چھوڑے گھر اٹھائے
آنکھوں سے یہ دیکھنا ہوا قہر
مفلس سے ہوا وہ صاحب زر
جب منزل شب میں رہرو روز
تابان ہوئے اس میں ماہ و اختر
دیکھا تو در قبول وا تھا
لی صبح کے ہوتے راہ گھر کی
چترادت اس کی ماہ پارہ
صورت پہ فدا ہوئی وہ بے پیر
دستور تھا جسکو بیٹی چاہیئے
مشاطۂ خوش ادا روان کی

شادی کی خبر سے وہ یکایک
دختر رکھتا ہے ماہ سیما

راضی تجھ سے ہوئی وہ بے پیر
کیسی رانی کہاں کا راجہ

لفت میں ہے آبرو گنوانی
دور ہو میرے سامنے سے چل دو

پایا جو جواب منتظر نے
زر سے ہوا ہاتھ اسکا خالی

کیا جوہری مول کرتے اسکا
موقع جو ملا تو کیا برا تھا

من چھین کے چوری کے بہانے
زنجیر میں پاؤں زلف میں دل

وارونہ مجلس جفا نے
زندان میں ہے وہ عزیز مرنا

دانا تھی وہ جبیں نمانے آنی
تھی حلقہ بحلقہ زلف زنجیر

پابند بلا و مبتلا تھا
بیڑی کٹوائی بے گناہ کی

اٹھا وہ پری کی آرزو میں
یان دھیان کہ پتا کا پارسا ہون

راجا نے ستارہ دان بلایا
نمائب ہوا سیر کرکے کچھ کام

آیا تو وہ کب سے نکتی تھی راہ
تلووں سے پری کے لگ گئی آگ

توفیق یہاں تلک جو لاتی
خوش خوش آئی کہا مبارک

ہر ملک کے شہریار آئے
طالع قسمت نصیب تقدیر

دکھلانہ مجھے ہری ہری باغ
کب چشمۂ مہر میں ہے پانی

ہٹ دیکھکے اسکی ہٹ گئی وہ
آنکھوں میں لگا خیال پھرنے

من سانپ کا ران سے نکالا
راجہ تک رفتہ رفتہ پہنچا

جھنجھلا کے ڈرا کے غل مچا کے
بھیجا کھلے بندوں قیدخانے

غم کھا کے لہو کے گھونٹ پینا
رانی سے کہا کسی بہانے

اس چاہ میں کام ہو نہ جائے
بگڑے ہوئے کو بنا نہ آئی

آنکھ اُس سے نہ جب ملائی اس نے
کب اسکو خیال بند پاتھا

قدموں پہ گری کہا اٹھو آؤ
یہ سمجھی کہ پھانسا گفتگو میں

تجویز میں اپنے مفہوم
سعدین کا زائچہ ملایا

دروازے کا منتظر کو دیدہ وا تھا
دیکھا تو کہا کہاں رہے واہ

پوچھا کہ بن آئی کس بنی کی
مہندی پاؤں کی گھس نہ جاتی

اُس شہر کا چتر سین راجا
ہر شہر کے تاجدار آئے

بیجا وہ ہوا کہا کہ جا جا!
غنچے کی گرہ میں کیا ہے جز داغ

مکار تو مجھ سے کرتی ہے زور
قسمت کی طرح پلٹ گئی وہ

تقدیر کی بات ہونے والی
بازار آیا وہ سرو بالا!

جو مدعیوں کا مدعا تھا
سمجھا کے دیا کے دست پا کے

زندان میں وہ نیم جان و بسمل
دم کے دھاگوں سی ہونٹ سینا

یوسف کی خبر لے اور زلیخا
یہ ماہ تمام ہو نہ جائے

دیکھا تو سرنگوں تھا دلگیر
زنجیر اُسکی ہلائی اس نے

رانی نے جو ... لی نگاہ کی
انکار دگر نہ جانے دو آؤ

وان دھن کہ صنم سے کہ خدا ہوں
آئی تو محل میں مچ گئی دھوم

دن ڈھل کے وہ ماہ نو سر شام
توبہ کا در کھلا ہوا تھا!

دیکھے جو حنائی ہاتھ بیلاگ
کس راہ کی ان نے رہزنی کی

قدموں سے لگا لپٹا ہوا وہ

مہندی کا جو رنگ تھا کہا وہ
دامن کیلئے وہ صید ہوتا
شادی نہیں کچھ خوشی سے مانی
شادی کے بہانے غم سے چھوٹا
زنجیروں سے پاؤں ہے نکالا
چھالے پڑیں کال اگر چھوئے ہوں
مری تجھے ایسی کیا لگی تھی!
آسان نہیں کڑی اُٹھانا
سہتی ہوں جہان کی سختی سستی
سنگینی گران نہ چلے گا داغ
کب چاہیئے گی عقل مصلحت سنج
ہوتی ہے سحر چلو ہوا ہو
آیا تو وہ نوعروس زیبا
تھی چین بجبین شکن کی صورت
سوتی جو کٹی مشب جوانی!
شب کو ہوئے داخل شبستان!
دو آنکھوں کی طرح ایک جا تھے
اُٹھ چلنے کا سوچتا تھا پہلو
حیرت چھائی تو کھو گئی وہ
لپکا تو پری کے رخ گیا یہ
دوری نے جو حد سے کی درازی
کل بھونگی کھکے سو رہی وہ
خلوتخانے سے باہر آئی
جانا ہمراہ صاحب تاج
جس وقت چلا پری کا مانوس

رانی کی وہ قہر حکم رانی
چتراوت کا وہ آپ آنا
بے تیرے تھی مرگ زندگانی
پیاری یہ نہیں حنائی چنگال
زلفوں پہ نہیں یہ ہاتھ ڈالا
بگڑی وہ کہ چل بنا نہ باتیں
تلووں سے ترے حنا لگی تھی
پتھر کی اگر کہوں تو میں ہوں
آسایش جان نہ تندرستی
قسمت سے مفر ہے اے بامن
تم تو کرو شادی ہم کریں رنج
وہ معتقد اس کے پاؤں چھو کر
بستر پہ تھی شکل نقش دیبا
سوئی تو تھی انتظار میں وہ
سوختہ نصیبی اپنی جانی
دونوں تھے تصوروں میں کھانی
پر دل جو ملا نہ تھا جدا تھے
چپکی ہوئی پیٹھ سے وہ دلگیر
غفلت آئی تو سو گئی وہ
یہ جاگے ہوئی وہ فتنہ بیدار
جانا کہ کہیں ہے عشق بازی
وقت سحر اسکو پا کے رانی
دربانوں کے پاس در پہ آئی
سائے کی طرح سے ساتھ رہنا
سایہ سے پس قدم رہا ہوں

من بیچ اپنا قید ہو نا
سب کہ گئے کہا خدا سے داز
غم تھا کہ تیرے قدم سے چھوٹا
ہاتھ ایسے ملے کہ ہو گئے لال
کالے ڈسیں بال اگر چھوئے ہوں
مجھ سے کوئی سیکھے ایسی گھاتیں
تنگ آیا تو دیکھ قید خانہ
فولاد جگر ہو تو میں ہوں
اس تنگ قفس کو سمجھی ہوں باغ
پتھر کے تلے دبا ہے دامن
راضی میں خدا کی جو رضا ہو
اُٹھا چھاتی پہ رکھ کے پتھر
نیند آئی جو تھی لیسہ قدرت
جاگی تو ملا کنار میں وہ
تھے صبح سے دو نشان ہم بیان
خلوت خانہ تھا گوشہ دل
کر دیکھ لیک وہ عنبریں مو
آئینہ کی پشت پر تھی تصویر
غافل اُسے چھوڑ کر اُٹھا یہ
دیکھا تو تھا تکیہ جائے دلدار
اس رات کو چپکی ہو رہی وہ
ہم بستر خواب سرگرانی
حکم ان کو دیا کہ شام کو آج
جو آنکھ سے دیکھنا وہ کہنا
وہ مٹھ وہ پری مقام دیکھا

وہ برج وہ مہ تمام دیکھا
صورت یہ ہے جو نگاہ کی ہے
یکجا بت و برہمن کو دیکھا
آنکھ اسکی یہ سن کے خون میں ڈوبی
واں بولی بکاولی کہ تو جاؤ
اوڑھا وہ مٹھ حباب آسا
انعام دیا کھلے خزانے
بنیاد فساد کھود ڈالی
اب دیکھوگے جا کے خاک پتھر
دیکھا تو وہ ماہ روز وہ برج
آواز آئی کہ بے خبر ہے
کھدوا جب اُس نے مٹھ لبِ جور
سنگت بجائے خویشتن سنگ
حیرت زدہ چپ خموش سنسان
گویا وہ ہوا انجوش بیبانی
دوران کا تھا انقلاب منظور
راتوں کو رہے وہ شمع فانوس

ایک ان میں سے رانی پاس آیا
ایک مٹھ میں مورت اک پری ہے
لعل و گوہر ایک درج میں ہے
مرّیخ بنی وہ ماہِ خوبی
یانسے چلے لوگ وانسے وزار
پھوڑا اچلے دل کا آبلہ سا
پاس اسکا ذرا نہیں کیا کچھ
جاسوسوں نے کھود کر نکالی
سنتے ہی وہ بے قرار لپکا
وہ لعل گران بہا نہ وہ درج
بنیاد برافگنی کی بانی
رہنے کو ملا ہمیں مکان ادر
ہونا تھا یہی تو شکوہ کیا ہے
ٹوٹا ہوا دل بندھا ہوا ہیان
تقدیر کو گل کھلانا تھا یوں
مختار خدا ہے بندہ مجبور
جب کامراد ہوئی وہ رانی

کی عرض کہ لو سراغ پایا!
آنکھوں سے اُس انجمن کو دیکھا
شمس و قمر ایک برج میں ہے
یان اسنے کہا وہ برج کھدواد
لپکا یہ اِدھر اُدھر وہ خونخوار
شہزادے کے آگے بیچیانے
اور اُس سے کہا کہ لو سنا کچھ
غائب رہتے تھے روز شب بھر
دوڑا بے اختیار لپکا:
شور اس نے کیا کہ کیا یہ شر ہے
ہے سوت مری تری وہ رانی
وان ٹھوکرین کھانی سخت تھیں تنگ
جا کچھ دنوں صبر کر خدا ہے
آیا تو ہنسی وہ سوخ رانی
تو خار سے ہیچ کن ہوئی کیوں
اس دن سے ہوا وہ اسسے مانوس
گذری بہزار کامرانی

## پیدا ہونا بکاولی کا دہقان کے گھر میں اور جوان ہو کر ملنا تاج الملوک سے

لفظوں سے ہے اب قلم کا دہقان
جیسے ہو گرد باد پر باد
جب چین سے کر چکے زدد
کھانے لگی نوچ نوچ کے ساگ

صفحے کی زمین پہ دانہ افشان
دہقان تھے نئے زمین جو پایا
کھیتی کی ہوئی زمین پہ واشد
کھاتے ہی حمل کا ڈھنگ پایا

جب مٹھ کی رہی نہ بیخ و بنیاد
سرسوں کا کھیت انہوں نے بویا
دہقان کے زوجہ کی کھلے بھاگ
سرسوں سا ہتھیلی پہ جم آیا

وہ بانجھ تھی جب حمل قبولی
پیدا ہوئی اک حسینہ دختر
مشہور ہوئی وہ ماہ پارہ
یعنی تاج الملوک دل تنگ
جانا کہ پری وہ سوختہ تن
اندر کا وہ قول یاد آیا
دہقان نے کہا کہ میری صاحب
یکتی نہیں لعل بے بہا ہے
سمجھا کہ وہ میوہ ہے ابھی خام
آیا کیا اس کو دیکھنے روز
چلتی تو زمین میں سرو گڑتے
دہقان ہوئے خواستگار اس کے
شہزادے نے ایک دن پھر آ کر
تم کوہ وقار ہیں پر کاہ
دہقان زادی وہ بے محابا
ہے دختر زر نصیب مے کش
یاں تو یہ حساب کر نا نقاش
آئے ایام نیک بختی
وہاں تھا کسی وقت کا دفینہ
تو کیا جانے بکاولی ہوں
ناگاہ سمن پری نے تخت
داماں نظر سے منہ چھپایا
واں جا کے ہوئی وہ نور آگیں
جاگا تو آفتاب سر پر
منہ دیکھتے ہی بکاولی کا

سرسوں آنکھوں میں سب کی پھولی
صورت میں پری جمال میں حور
لوگ آنے لگے پئے نظارہ
چرچا سن کر چلا کہ دیکھوں
سلپچے میں سے ڈھل کی نکلی کندن
دہقان سے کہا کہ سیم و زر لے
یہ باتیں تمہیں نہیں مناسب
پھل سے نہیں پیڑ کو سروکار
عورت ہو جوان تو نکلے کچھ کام
دن دن اسے ہو گیا قیامت
باتیں کرتی تو پھول جھڑتے
کہ بہیر و پرگی اپنی دہقان
شادی کو کہا حیا اٹھا کر
صحبت ہے برابری میں زیبا
بول اٹھی کس آن سے کہ بابا
مطلب کو سمجھ کے گھر پھرا وہ
واں لوگ ارم کے گنتے تھے دن
دختر وہ پکڑ کے باپ کا ہاتھ
دکھلا کے کہا کہ ہے خزینہ
اک آدمی زاد کی بدولت
وارد ہوئی اور کہا کہ رخت
چتر اوت کا محل جدھر تھا
پہرولنے کی اپنے شمع بالیں
اٹھا جو وہ کہ کے آؤ جانی
سایہ اسے ہو گیا پری کا

ایام مقرر رہے گذر کر
قلقل سے وہ مہ تھی پیش کا فور
وہ منتظر ظہور نیرنگ
دیکھا تو کھپا نظر میں افسوں
چہرے سے پری کا ڈھنگ پایا
دولت صدقے یہ سیم بر لے
دختر جو پسند مہ لقا ہے
جبتک کہ ہو کام کا نہیں یار
یہ سوچ کے گھر پھرا وہ دلسوز
بوٹا سے بڑی وہ سرو قامت
خواہاں ہوئے ہم وفا اُسکے
بولا کہ ہو رب کے ہاتھ سامان
دہقان نے کہا کہ یا شہنشاہ
نسبت ہے برادری میں زیبا
خواہاں سے مرے نہ ہو تو ناخوش
وقت آنے کا منتظر رہا وہ
گذرا بارے جو عہد سختی
پچھواڑے مکان کی لیگئی ساتھ
کہنا نہ کسی سے میں پری ہوں
لائی ترے گھر میں مجھ کو قسمت
رخت اس نے سج کے تخت اڑایا
سوتا تھا جس رخ وہ سیمبر تھا
بیدار کیا وہ ماہ پیکر
آواز سے چونک اٹھی وہ رانی
بولی وہ بکاولی سیمانی!

ہے سوت مری بھی وہ رانی
چوٹی سے مری تو ہاتھ اُن کے
ہیں نری ہوں تو کسی کا ہو خیر
اُڑتے ہی وہ تخت سحر آگین
کھوئے ہوئے جیسے سب نے پلٹے
چتراوت چتر سین کی جان
پورب کا بادشاہزادہ
ہوتے ہی حواس خمسہ مجموع
حسن آرا اور روح افزا
ہو جو آیا بلا تکلف
مہمانوں کی میزبانیاں کیں
روح افزا سے بکاولی کو
یہ دل لگی اب لگائیگی دل

بولا کہ وہ لونڈی ہے تمہاری
چل آگے چلا میں ساتھ اُن کے
یہ بات بکاولی کو بھائی
کیا دور تھا گلشن نگارین
فردوس کی بیسوا وہ دلبر
آرام ارم بکاولی جان
پانچوں سرپنجۂ وفا تھے
آمد ہوئی اقربا کی مسموع
پورب کا بادشاہ و شاد بانو
کے قافلہ سے ملا وہ یوسف
چندے رہا مجمع بد و نیک
لفت تھی روکی دل لگی کو
. . . . . . . . . .

یہ کہہ کے اُسے کہا کہ پیاری
رانی نے کہا کہ گویا ہے غیر
شہزادے کے ساتھ اُسے بھی لائی
مدت کے جو بعد گھر میں آئے
محمودا دیونی کی دختر
ان چاروں میں ایک مست بادہ
یا خمسۂ مطلع صفا تھے
فیروز شہ و جمیلہ دانا
اطراف سے مملکت کے مہ نو
سلطانوں کی قدردانیاں کیں
رخصت ہوا رفتہ رفتہ اک ایک
رکتا ہوا اس پری کا مشکل
. . . . . . . . . .

عاشق ہونا بہرام وزیرزادہ تاج الملوک کا روح افزا پری پر اور شادی ہونی بکاولی کی سعی سے اور کامیاب رہنا

جب ختم یہ داستان آئی
روکا جو بہانہ کئی مہینے
وہ مست مئے فسانہ گوئی
گلگشت چمن میں تھا گل اندام
کھٹکے سے مگر بکاولی کے
نایاب ہوا بہر چشم امید
بیتابی نے کچھ قرار پایا
سائے نے پری پہ کی چڑھائی

یوں شاخ قلم شگوفہ لائی
اک شب کہ وہ زلف مہ رخان تھے
مہتابی سی چاندنی پہ سوئی
نکلی دیکھی پری کی چوٹی
بھاگا سائے سا اُس پری کو
دیکھا تو وہ ماہ نو کا تھا برج
مجبوری میں اختیار پایا
اُس فتنہ کی خوابگاہ تک آیا

روح افزا کو بکاولی نے
یا آتش مہر کا دخان تھے
سلطان کا وزیرزادہ بہرام
ناگن سی اس کے دل پہ لوٹی
جب کاکل شب سے روئے خورشید
رکھتا تھا دُر یگانہ وہ دُرج
مہتابی پہ چاندنی جب آئی
مانند سہا وہ مہ تک آیا

تجویز رہا تھا گھات گون کی
مچھلی سی نکل گئی تڑپ کر
ملتی اُسے خاک وہ ہوائی
رخصت ہوئی گھر کو رکھ کے پردا
تنہا وہ سمن پری تھی اک روز
مرتا ہون برائے روح افزا
شہزادے کو ڈھنگ گر نہ تو چل
شبنم کی ہے آفتاب کو چاہ
فردوس میں مالن ایک تھی حور
منہ بولی بہن بنائی اس کو
روح افزا کیلئے بنفشہ
بہرام نے پشت آئینہ پر
افسوس مجھے تو آرزو ہو
خود بینی سے جو کرے بجا ہے
روح افزا کا سنگار کر کے
خط سمجھی وہ کاکلون کا سایہ
مشاطہ کو دیکھ کر اکیلی
ہو کر جو نظر نہ آئے وہ کون
بہرام اس سوچ کو سمجھ کر
بولا وہ بات کیا ہے اچھی
وہ سن کے جو دوسرے دن آئی
پوچھا کس نے بنائی ہے یہ
روح افزا نے کہا کہ نادان
جا کر طلبی اُسے سنائی
مرد کا لباس تھا زنانہ

ناگاہ وہ مست خواب چونکی
پیچھا کئے صحن تک وہ آیا
انسان کو پری نہ ہاتھ آئی
معشوق سے رہ گیا جو ناکام
قدمون پہ گرا کہا بصد سوز
بولی وہ ارے بشر بڑی ہے
چھتائے فلک نہ ہوگا بادل
واقف تھی پری کے دیس سے وہ
گل چہرہ پری بنفشہ مشہور
فردوس کے سیر کے بہانے
گلدستہ بنائی تھی ہمیشہ
تحریر کیا کہ بے مروت
اور آئینہ تیرے روبرو ہو
یہ لکھ کے ہٹا تو مالن آئی
خود اس کی ہوئی جو پیار کر کے
مضمون جو پڑھا پری تھی دانا
بولی کہ بتاؤ یہ پہیلی
سوجھی تو نہ بوجھی وہ کہا کل
بولا کیا ہے کہا اُلجھ کر
ہاتھ آ کے نہ پائے جو مجذوب
تقدیر سنی ہوئی سنائی
بولی وہ کہ ہان مجھے نہ سوجھی
ہمراہ اُسے کیون نہ لائی تو یان
اُس مژدہ کا منتظر ہی تھا وہ
دھوکا کچھ کھا گئی وہ دانا

آغوش کی موج سے وہ شطر
مہتاب کے پیچھے جیسے سایہ
ہوتے ہی سحر وہ روح افزا
تھا غم سے کنار گور بہرام
دل سے ہون فدائے روح افزا
روح افزا کیا یکا دلی ہے
بولا وہ کہ مجھ سے اس سے ہے راہ
لے پہنچی زنانے بھیس سے وہ
پوشیدہ گھر اسکے لائی اسکو
چھوڑا منزل پہ رہنما نے
حاجت کو ذرا گئی جو باہر
آئینہ ہے تجھ پہ میری صورت
لیکن تو زبسکہ خود نما ہے
گلدستہ پری کے پاس لائی
اُلٹا اُسے آئینہ دکھایا
نقش عمل نگار خانہ!
ہاتھ آ کر جو نہ پائی وہ کون
کہدو نگی یہ کہ کے آئی بیکل
وہ جانتا تھا نہ اس کو سوجھی
ہو کر نہ دکھلائی دے وہ محجوب
سمجھی وہ کہ پوچھ آئی ہے یہ
منہ بولی بہن نے میری بوجھی
بولی وہ ابھی چلی میں لائی
ساتھ اس کے زنانے میں گیا وہ
پوچھا کہو نام کیا کہا تنگ

پوچھا کہ نشان کہا دل تنگ
وہ سمجھی کہا یہ پردہ پوشی
رہ مجھ کو بتاؤں سحر سے گور
طوق اُس کو طلسم کا پہنایا
شب کو اُسے آدمی بناتی
اک دن پنجرہ اُڑا کے لائی
دیکھا تو مجسم آدمی زاد
لوگوں سے کہا ہٹاؤ اس کو
تقدیر کے سنئے کارخانے
دیکھا تو وزیر زادہ بہرام
فردوس میں آئے لیکے اُس کو
قابل یہ جلانے کے ہے فاسق
یہ کون سی جہنم ہے چچی جان
حسن آرا نے کہا بجا ہے
جب عیب نہ تھا تو اب ہے گیا عاق
مرسوم تھے جسطرح کی انداز
دوراز ادب کھلے بصد ننگ
گلزار جواہرین میں آکر
سبزہ شب زلف صبح رخسار

یہ سنکے اشارے سے بٹھایا
گندم کے بہانے جو فروشی
بدبین سمجھ کے گور کا نام
قمری اسے سرو سے بنایا
غماز تھی اک خواص اُسکی
حسن آرا کو وہ کل سمجھائی
گستاخ جو اُس بشر کو پایا
آتش کدہ میں جلاؤ اسکو
شہزادہ بکاولی کے ہمراہ
ہوتے ہیں تھا شکل نقرہ خام
زندہ اُسے پا کے حسن آرا
روح افزا کا ہوا ہے عاشق
پیاری کا جو اپنی ہو پیارا
تم کیوں نہ کہو کہ خود کیا ہے
کیا کہتی وہ دم بخود سنا کی
شادی کا خوشی خوشی کا ساز
شادی جو ہوئی تو غم ہوا دور
آباد ہوئی وہ یاسمن بر
جسطرح اُنہیں بہم بلایا

بادام بنفشہ کو دیکھایا
بہرام ہے تو ارے وہی چور
پنجرہ اک لائی وہ گل اندام
دن بھر تو وہ فاختہ پڑھائی
دمساز تھی وقت خاص اُسکی
کھولا جو وہ بند سحر بنیاد
غصہ غضب اُس پری کو آیا
لوگ اس کو لے چلے جلانے
گذرا اُسی راستے سے ناگاہ
جلنے سے پناہ دیکے اُس کو
بولی کہ یہ چور ہے ہمارا
بولی وہ بکاولی کہ قربان
کیونکر ستم اُس پہ ہو گوارہ
بولی وہ پھر عبث ہے انکار
سوچی سمجھی رضا خدا کی
دو ساز طرب ملے خوش آہنگ
فردوس سے گھر کو آئی وہ حور
حاصل ہوئی اُن گلونکو بیچار
بچھڑے ہوئے سب ملیں خدایا

تمت

ملک دین محمد اینڈ سنز پبلشرز و تاجران کتب کشمیری بازار بل روڈ لاہور